سیکولرزم و مابعد سیکولرزم

(سیکولرزم کے بدلتے تصورات کا تعلیمات نبوی کی روشنی میں جائزہ)

حافظ محمد عبد القیوم*

سیکولرزم اپنے موجودہ معنی میں کئی مراحل سے گزرنے کے بعد پہنچا ہے، جس کی کئی صورتیں ہیں۔ سیکولرزم کی دینی معاشرہ میں قبولیت کی بات کرنے والوں کا دعویٰ ہے کہ سیکولرزم کا ترجمہ لادینی، لامذہبی نہیں ہیں بلکہ دنیا اور دنیا داری اس کا صحیح ترجمہ ہے۔ پہلی بات یہ ہے سیکولرزم کی اصطلاح کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کن معانی کی ادائیگی کے لیے یہ لفظ وضع کیا گیا؟ کیا سیکولرزم کے معانی کی ادائیگی کے لیے اسلام اور دیگر مذاہب کا دامن خالی تھا؟ کیا سیکولرزم کا تعلق دین و سیاست میں علیحدگی تک ہے یا زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہے؟ دین و سیاست میں تفریق کی بحث نے دین و جدید قومی ریاست اور دین و سلطنت (Empire) کی وجہ سے جنم لیا؟ سیکولرزم اور مابعد سیکولرزم میں کیا فرق ہے؟ مذہب ذاتی معاملہ ہے اس کا اجتماعی، معاشی اور سیاسی معاملات سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر اس نظریہ کو مان لیا جائے تو پھر برطانیہ کے بارے میں کیا کہا جائے گا کہ جہاں ملکہ برطانیہ چرچ کی سربراہ ہے، اسی طرح ناروے، ڈنمارک اور سویڈن کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ وہاں تو اس طرح علیحدگی نہیں پائی جاتی۔ انہی سوالات کے جوابات اس تحریر میں تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

سیکولر اور سیکولرزم کا معنی و مفہوم:

تاریخی طور پر دیکھا جائے تو لفظ سیکولر صفت کے طور پر استعمال ہوتا رہا ہے بالخصوص انگریزی زبان میں یہ صفت کے طور پر ہی استعمال ہوتا تھا۔ قبل از عہد روشن خیالی (Enlightenment) میں اس لفظ کا استعمال رومیوں (Roman Empire) کے ہاں ملتا ہے، رومی عہد میں (Ludi Saeculares) سیکولر کھیلوں کو کہا جاتا تھا۔ یہاں سیکولر ''صدی'' یعنی ایک سو سال کے اختتام اور اگلے کے آغاز کے معنی میں استعمال ہوا ہے رومی قیصر اگستس (Augustus) نے سترہ قبل مسیح میں سو سال کے اختتام پر کھیلوں کا انعقاد کیا تھا، جو سلطنتِ روما کی پانچویں صدی (fifth saeculum of Rome) تھی۔ اس موقع پر رومی شاعر قُوِنٹَس حورائٹس (Quintus Horatius Flaccus) (م۔۸ ق م) نے ایک حمدیہ نظم لکھی تھی جس کا نام ''Carmen Saeculare'' تھا، اس نظم کو دعائیہ نظم بھی کہا جا سکتا ہے جو اس نے اپنے دیوتاؤں کو مخاطب کر کے لکھی تھی، یہ شاعر آج حارث (Horace) کے نام سے معروف ہے۔ اسی طرح لفظ ''saeculum'' سے مراد طویل ترین ممکنہ انسانی زندگی فرض کیا گیا ہے جو عموماً ایک سو سے ایک سو دس برس تک ہو سکتی ہے۔ کسی بھی چیز کا آغاز سے

*اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

© rasailojaraid.com

انجام تک کا دورانیہ جیسے ایک نسل کا آغاز سے انجام تک کا دورانیہ سیکولم ''saeculum'' کہلاتا ہے۔اس لفظ کا آغاز سلطنت روما سے قبل وسطی اٹلی کے ایک قدیم ملک ایٹروریا (Etruria) کے باشندوں کے ہاں ملتا ہے،اس ملک کے باشندوں کو ایٹروزیکن (Etruscans) کہا جاتا ہے،ان کا عہد حکمرانی ۷۵۰ ق م سے ۵۰۰ ق م تھا(۱)۔

اس طرح اس کے معنی دی آکسفورڈ لغت کے مطابق ایک نسل (Generation) کے بھی ہو سکتے ہیں۔

عیسائیت میں سیکولرزم کا معنی و مفہوم:

لاطینی عیسائیت میں سیکولر (secular) کے معنی دنیا (The World) کے ہیں جو لفظ کلیسا (Church) کا متضاد ہے۔دی آکسفورڈ لغت کے مطابق ''سیکولر'' کا تعلق دنیا اور اس سے متعلقہ امور سے ہونے کی وجہ سے ''کلیسا'' اور ''مذہب'' سے الگ اور امتیازی معنی رکھتا ہے۔

رومی قیصر قسطنطین کے قبول عیسائیت کے بعد مذہب مسیحیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور ان پر نازل شدہ کتاب انجیل کی نسبت کلیسا (Church) اور اس کی تنظیم (Clergy) کو زیادہ اہمیت دی جاتی رہی ہے،اس طرح عیسائیت کی تاریخ دراصل کلیسا کی تاریخ ہے۔عیسائی دنیا کا دوسرا اہم ادارہ عیسائی خانقاہ (Monastery) ہے۔اس طرح سیکولر ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو کلیسا اور اس کی تنظیم سے الگ ہو کر زندگی بسر کر رہا ہو:

"Living in 'the world' and not in monastic seclusion, as distinguisted from regular and religious."(2)

اسی طرح کلیسائی نظام کے لحاظ سے سیکولر اور ریگولر (Regular) (جس کا اردو زبان میں اگر چہ ترجمہ ''با قاعدہ'' ہے،مگر یہاں کلیسا سے وابستہ ہونے کا معنی رکھتا ہے) دو اصطلاحات متداول ہیں،جب کہ ریگولر اور مذہبی (Religious) الفاظ کو باہم مترادف کہا جا سکتا ہے۔گویا کہ لفظ ''ریگولر'' کے کلیسائی معنی اس شخص کے ہیں جو با قاعدہ کلیسا کا رُکن ہو۔اس طرح کلیسائی لغت میں ''سیکولر'' کے معنی کلیسا اور اس کے نظام سے الگ ہو کر زندگی بسر کرنا ہے۔

لفظ ''سیکولر'' صفت کے طور پر اس طرح استعمال ہوتا ہے جیسے سیکولر ایبٹ ''secular abbot''، سیکولر کینن ''secular canon''، سیکولر پریسٹ ''secular Priest'' اور سیکولر سوسائٹی (Secular Society) وغیرہ۔سیکولر ایبٹ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ایبٹ کے عہدہ پر فائز ہونے کے باوجود اپنے عہدہ پر غیر فعال ہو اور وہ راہب بھی نہ ہو،واضح رہے کہ ''ایبٹ'' عیسائی خانقاہ کے سربراہ کو کہا جاتا ہے:

"A person not a monk, who had the title and part of the revenues, but not the functions of an abbot."(3)

© rasailojaraid.com

سیکولر کینن کا پس منظر یہ تھا کہ آٹھویں سے گیارھویں صدی عیسوی تک کلیسا سے وابستہ پادری و دیگر عہدہ داران نے کلیسا اور گرجا گھروں کے قرب و جوار میں گرجا گھروں اور کلیساؤں کی سرکاری زمین پر لوگوں کے ساتھ رہائش اختیار لی تھی ،جس کی سینٹ اگسٹائن (St. Augustine) نے سختی سے خبر لی اور زمین سے دست بردار ہونے کا حکم نامہ (canon) جاری کیا، جنھوں نے اس حکم نامہ کی پاس داری کی وہ ریگولر کہلاتے ہیں اور اس حکم نامہ کی پاس داری نہ کرنے والے سیکولر کہلائے:

> "St. Augustine that clergymen so living togather should renounce private property: those who embraced this rule were known as Augustinian (Austin) or regular, the others were secular canons."(4)

☆ انگریزی زبان میں ''سیکولر'' کو دراصل منفی معنی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، جیسے غیر کلیسائی (non-ecclesiastical)، غیر مذہبی (non-religious) یا غیر مقدس (non-sacred):

> "Belonging to the world and its affairs as distinguised from the church and religion. Chiefly used as a negative term, with the meaning non-ecclesiastical, non-religious, or non-sacred."(5)

☆ عام اَن پڑھ یا جاہل شخص کو بھی سیکولر کہا جاتا تھا:

> "Of or belonging to the 'common' or 'unlearned' people."(6)

اس معنی کی وجہ یہ ہے کہ چوں کہ عہد وسطیٰ میں علم سے مراد علم دین ہی ہوتا تھا اور علم حاصل کرنے والا عالم / پادری اور علم حاصل نہ کرنے والا عام فرد یا جاہل ہی ہوتا تھا، جس طرح عہد اسلامی میں علم سے مراد علمِ دین ہی رہا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دینی معاشرہ اور غیر دینی معاشرہ کی اقدار و روایات مختلف ہوتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب کسی معاشرہ میں دینی اقدار و روایات کا غلبہ ہوگا تو لامحالہ طور پر کسی شخص کو دنیادار اور سیکولر کہنا اس کو طعنہ دینے کے مترادف سمجھا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائی پس منظر کے ساتھ یہ لفظ ''سیکولر'' اپنی ذات میں مثبت نہیں بلکہ منفی معنی رکھتا ہے۔ جس طرح اسلام میں کسی عالمِ دین کو دنیاداری یا دنیا کی طرف میلان کا طعنہ دینا اس عالم دین کے لیے کسی طرح بھی لاف زنی سے کم نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح سیکولر پادری، سیکولر کینن یا جاہل کہنا اپنے اندر منفی معنی رکھتا ہے، جیسا کہ آکسفورڈ لغت کے مطابق ۱۷۲۰ء کی تحریروں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ راہب جو کلیسائی تنظیم کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے سیکولر کہتے تھے اور اپنے آپ کو مذہبی ہونے کا شان دار خطاب دیتے تھے:

> "Monks, who despised the settled Clergy, and called them Seculars, giving themselves the glorious Title of Religious."(7)

مگر آنے والے وقت میں جب فلسفۂ روشن خیالی کو مغرب میں فروغ ملا تو اس فلسفہ کے تحت مغربی تہذیب کا میلان رومن تہذیب اور اس کے احیاء کی طرف ہوا جس کی وجہ سے رومن سلطنت کی اقدار وروایات کو معاشرہ میں پذیرائی ملی ،عیسائی روایات کے مقابلہ میں رومن اقدار کو زندہ کرنا اور ان کو اپنانا باعث فخر سمجھا جانے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی تہذیب کے فکری بنیادیں یونانی تہذیب وفلسفہ پر نہیں بلکہ رومن تہذیب وعمل پر رکھی گئیں ہیں، جیسا کہ علامہ اسد اور مریم جمیلہ وغیرہ کا مؤقف ہے(۸)۔ اسی لحاظ سے سیکولر کے وہ معنی جو رومن سلطنت میں تھے ان کو زندہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ جب فلسفۂ روشن خیالی کا غلبہ اور دینی اقدار وروایات مغلوب ہوتی چلی گئیں تو جس طرح دینی اقدار کے حامل معاشرہ میں دنیاداری یا دنیا کی طرف رغبت کو طعنہ سمجھا جاتا ہے اسی طرح غیر دینی معاشرہ میں دینی اقدار کا استہزا و تمسخر اُڑانا اور ان کو خفیف سے خفیف تر سمجھنا معمول بن جاتا ہے، اِن ہر دو پہلوؤں کے اعتبار سے سیکولر کے لفظ کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا گیا۔ عیسائیت میں جس لفظ کو برا گردانا جاتا تھا روشن خیالی کے فلسفہ کے حاملین نے اس کو اپنے ماتھے کا جھومر قرار دے دیا ۔ ''سیکولر'' نام سے سیکولر سوسائٹیاں وجود میں آئیں، تعلیمی ادارے اور نصاب وجود میں آئے۔ مغرب کی فکری تاریخ میں اس کی مثال لفظ ڈیموکریسی (Democracy) ہے، یورپ میں اٹھارویں صدی تک لفظ ڈیموکریسی اور ڈیموکریٹس برے معنی میں استعمال ہوتا تھا اور اس کے معنی شہر گردی، غنڈہ گردی اور افراتفری کے تھے، یہ لفظ اپنے موجودہ معنی میں فرانسیسی انقلاب (French Revolution) کے وقت سامنے آیا(۹)۔

اس طرح عیسائیت کا تصورِ سیکولر جدید مغربی تصور سے الگ معنی ومفہوم رکھتا ہے۔

سیکولر کا معنی ومفہوم انیسویں صدی میں:

اس بات کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ انسان فطری طور پر دین کی طرف میلان رکھتا ہے، جس طرح آگ سے حدت اور برف سے اس کی برودت کو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا اسی طرح انسانی طبائع سے مذہبی رجحان کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اسی سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ کوئی بھی انسانی معاشرہ کلی طور پر دہریت کو اختیار نہیں کر سکتا، کیوں کہ انسانیت کا اجتماعی ضمیر اس کو قبول نہیں کرتا۔ انسانی معاشرہ میں ایمان ویقین کے ساتھ ساتھ تشکیک و دہریت کے رجحانات کے امکان کو ردّ تو نہیں کیا جا سکتا مگر تشکیک و دہریت معاشرہ میں مرکزی حیثیت اختیار کرنے کی بجائے ہمیشہ حاشیہ پر رہتی ہے اور رہی ہے، وہ کسی معاشرہ کا اکثریتی اور غالب رجحان قرار نہیں پاتی ہیں۔ اس لحاظ سے اٹھارویں صدی کے اختتام اور انیسویں صدی کے نصف اول میں سائنس کی فتوحات، روشن خیالی کے فلسفہ کے پھیلاؤ اور وحی کے بطور ذریعۂ علم کے انکار کے باوجود دہریت فروغ نہیں پا سکی، معاشرہ کے اجتماعی ضمیر نے اس کو ہضم نہیں کیا۔ سترھویں اور اٹھارویں صدی عیسوی میں برطانیہ اور دیگر یورپی ممالک میں دہریت والحاد (Atheism) اور اس کا فروغ باقاعدہ ایک تحریک کی صورت اختیار کر چکا تھا اس تحریک کا نام آزاد خیالی (Freethought) تھا، مگر اس کے باوجود معاشرتی سطح پر یہ تحریک پذیرائی سے محروم تھی۔ اس تحریک کے فروغ میں اہم نام

رچرڈ کابڈن (Richard Cobden) گلیڈسٹون (Mr. Gladstone)، تھامس پین (Thomas Paine) اور رابرٹ اوون (Robert Owen) وغیرہ کا لیا جا سکتا ہے۔ ان لوگوں کا آزاد خیالی کا فلسفہ معاشرہ میں نفوذ نہیں پا رہا تھا۔ ایڈورڈ رائل لکھتے ہیں:

> ".......Holyoake's efforts to adjust the ultra-radical infidel tradition to the new conditions which emerged in mid-nineteenth-century Britain, and as such it can suggest in miniature a number of social changes which were of far wider importance. In the 1840s Owenism had failed to realise its social aims, Chartism had failed to achieve its political aims, and the infidels had failed to storm the gates of the establishment. In the 1850s, therefore, radicals of all three persuasions had to rethink their strategies. With the failure of the Owenite community at Queenwood in 1846, most of the former Owenite local organisation, or such as remained, passed to Holyoake and his followers, whilst a great deal of local energy was absorbed in the attempt to set up trading stores."(10)

۱۸۵۰ء کے بعد جب ہولیوک (George Jacob Holyoake) (م۔۱۹۰۶ء) اس تحریک میں شامل ہوا تو اس نے اس تحریک میں جان ڈال دی۔ ہولیوک نے تحریک کو مؤثر بنانے کے لیے نئی اصطلاحات اور نئے دلائل مرتب کیے، گویا کہ پرانی شراب کو نئے برتن میں پیش کیا کہ آزاد خیالی (Freethought) اور دہریت والحاد (Atheism) کو ''سیکولرزم'' کے نئے لفظ کے ساتھ متعارف کروایا، جس سے اس کی تحریک کو پذیرائی ملی۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ دہریت کو اپنی صریح اور واضح صورت میں کبھی بھی معاشرہ میں قابل ستائش نہیں گردانا گیا وہ ہمیشہ تشکیک یا نفاق کے لبادے میں نمو پاتی ہے۔

لفظ ''سیکولر'' بطور صفت تو عیسائی دنیا میں موجود تھا مگر یورپ میں تحریک نشاۃ ثانیہ (Renaissance) اور تحریک اصلاح کلیسا (Reformation) کے دوران یعنی بارھویں صدی عیسوی سے انیسویں صدی عیسوی تک سیکولرزم ایک نظریہ اور فکر کے طور پر کہیں نام ونشان نہیں رکھتا تھا۔ دی آکسفورڈ انگریزی لغت کے مطابق انیسویں صدی عیسوی کے نصف ثانی میں یعنی ۱۸۵۰ء کے بعد اس لفظ کے پہلے معنی میں تحریف (Catachrestic and erroneous use) کرتے ہوئے ''نظریۂ سیکولرزم'' (Doctrine of Secularism) کے غلط معنی میں استعمال کیا جانے لگا(۱۱)۔

اسی بات کی تائید دائرہ مذہب واخلاق (Ency. Of Religion and Ethics) کے مقالہ نگار سے بھی ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں کہ سیکولرزم دراصل دہریت اور کفر والحاد کا متبادل لفظ تھا:

"The movement originated in 1849, and was expressly regarded by Holyoak as an alternative to atheism."(12)

یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ ''سیکولرزم'' کسی نظریہ سے موسوم نہیں ہے بلکہ ایک حالت اور کیفیت کا نام ہے، سیکولر زم دراصل دہریت (Atheism) کا عملی اظہار ہے، اس لفظ کے ذریعے ابتداً مغربی اور بعد میں غیر مغربی فرد کے لیے دہریت کو قابل قبول بنایا گیا۔

☆ ''سیکولر'' کے معنی غیر مذہبی تعلیم اور ہدایات ہیں، اسی طرح تعلیم سے مذہب نکال دینے کا نام ''سیکولر'' ہے:

"Of education, instruction; Relating to non-religious subjects. (*In modern use often implying the exclusion of religious teaching from education, or from the education provided at the public expense*.) Of a school: That gives secular education."(13)

خود ہولیوک (G. J. Holyoake) جس نے لفظ ''سیکولر'' کو ''سیکولرزم'' میں بدلتے ہوئے ''نظریہ'' (Doctrine) کے معنی پہنائے، وہ اس کو موجودہ معنی یعنی دین و سیاست کی علیحدگی میں نہیں بلکہ دہریت کے معنی میں استعمال کر رہا تھا کیوں کہ وہ کوئی مذہبی فرد نہیں بلکہ دہریہ (Atheist) تھا اور اس کو اس بات پر فخر تھا جس پر اس کی تحریریں شاہد ہیں۔ جب اس لفظ کو نئے معنی پہنانے والا خود فکری طور پر دہریہ تھا تو پھر اس بات کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ اس کے اختراع شدہ لفظ کے معنی دین و سیاست کی دُوری کے ٹھہرا لیے جائیں؟ ہولیوک نے دہریت (Atheism) اور کفر و الحاد (Infidelity) کے مترادف کے طور پر ''سیکولرزم'' کو بطور اصطلاح استعمال کیا ہے۔ عیسائی نقطۂ نظر سے کسی کو سیکولر کہنا گالی دینے کے مترادف تھا، مگر ہولیوک نے عیسائیت سے نفرت اور ضد میں اس لفظ کو اختیار کرنا اپنے لیے باعث اعزاز گردانا، جس طرح مارٹن لوتھر (Martin Luther) کی تعلیمات کا حامل عیسائی فرقہ پروٹسٹنٹ (Protestant) کہلاتا ہے، مگر لفظ پروٹسٹنٹ انہوں نے خود اختیار نہیں کیا بلکہ انہوں نے فرانس میں اپنی سزا کے خلاف احتجاج کیا تھا اس لحاظ سے لوگوں نے ان کو پروٹسٹنٹ کہنا شروع کر دیا۔ اسلامی عہد سے اس کی مثال فرقہ معتزلہ ہے، معتزلہ کسی خاص فرقہ کا نام نہیں ہے لیکن چوں کہ حضرت حسن بصری نے معتزلی واصل بن عطاء کو ''اعتزل عنا'' (ہم سے دُور ہو جا) کے الفاظ کہے تھے اس لیے معتزلہ کے نام سے معروف ہو گئے، ان کا اپنا مقررہ نام ''اہل التوحید والعدل'' ہے۔

۱۸۵۰ء کے بعد سیکولر نظریات کے فروغ کے لیے سیکولر انجمنیں وجود میں آئیں، اس طرح ہولیوک نے لفظ'' سیکولر'' کو فکر اور نظریہ کے معنی فراہم کیے:

"secular societies: the designation given to associations formed in various English towns from 1852 onwards to promote the spread of secularist opinions۔"(14)

۱۸۵۶ء میں ہولیوک لکھتا ہے کہ یہ سیکولر انجمنیں سیکولر تحریک میں شامل ہونے کے لیے اہم کردار ادا کریں گی:

"Your Secular Societies will do well to merge into this movement."(15)

ہولیوک ۱۸۷۰ء میں لکھتا ہے کہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ سیکولر اصولوں کو اس دنیا میں اپنا مقام بنانے میں حوصلہ افزا پذیرائی ملے گی:

"We believe there is sufficient soundness in Secular principles to make way in the world."(16)

ہولیوک کی بنائی ہوئی سیکولر انجمن کے نتیجہ میں جدید دہریت منظّم ہوگئی، اس کے ساتھ بریڈلا (Bradlaugh) کے اس تحریک میں شامل ہونے سے تحریک میں مضبوطی آ گئی:

> "In Britain, Organized atheism can be said to have come into existence with the establishment of the Secular Society in 1866 by Bradlaugh." (16A)

اس طرح سیکولرزم کسی فکر کا نام نہیں بلکہ اصل فکر دہریت (Atheism) کا متبادل ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ دہریت کی کئی اقسام ہیں، موجودہ الحادی رجحانات جدید سائنسی عقلیت پر کھڑے ہیں۔ اس لحاظ سے لفظ سیکولرزم میں دہریت ہی کا معنی ومفہوم پایا جاتا ہے۔ ''سیکولرزم'' دراصل لفظ ''دہریت'' (Atheism) کا نرم (Soft) متبادل ہے جس سے دہریت کا نرم تصور ذہن میں بیٹھتا ہے اور اس کی قبولیت میں راہ ہموار ہوتی ہے۔ جس طرح بقول معروف برطانوی تاریخ دان اور مفکر ٹائن بی (Arnold Toynbee) مغربی تہذیب اور مغربی فکر وفلسفہ سے مرعوب مشرقی فرد نے مغربیت (Western) کی قبولیت کے لیے لفظ جدید (Modern) متعارف کروایا، اسی طرح جمہوریت (Democracy) اور سائنس (Science) کو بھی مقدس الفاظ (Holy words) بنا کر پیش کیا، چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

> "Today the whole World is bent on being modern; but this agreeable word 'modern' is a euphemism. One may want to adopt an alien way of life, or, short of wanting to, one may feel that they this is the only alternative to going under. But it goes against the grain to admit that one's own ancestral way of life is not adequate to the situation in which one now finds oneself. The word 'modern' saves face, so it has become a holy word, and it has brought along with it two other holy words: 'science' and 'democracy'. Every nation and every individual in the present-day world feels bound to lay claim to being 'modern', 'scientific', and 'democratic'."(17)

© rasailojaraid.com

سیکولرزم کا معنی و مفہوم دوسری جنگ عظیم کے بعد:

کوئی بھی انسان اپنی فکر کے اعتبار سے دو رجحان رکھتا ہے، اوّل یہ کہ اپنی فکر کا پرچار اور دوسرا یہ کہ مخالف فکر کی تحقیر و تنقید۔ ہولیوک کے عہد میں سیکولرزم کے پرچار کے ساتھ ساتھ مذہب اور مذہبی اقدار و شعائر کی تحقیر و بے توقیری معمول بن گیا تھا، مگر دوسری جنگ عظیم کے بعد سرمایہ دارانہ (Capitalism) بلاک نے اشتراکیت (Socialism) کے مقابل جو عملی اقدامات اٹھائے ان میں سے ایک یہ تھا کہ اپنے آپ کو دنیا کے سامنے خدا کو ماننے والے اور اشتراکیت کو منکرین خدا کے طور پر پیش کیا جائے، اس وجہ سے مذہب پر صریح تنقید تو ملفوف ہوگئی مگر مغرب نے اپنی فکر کا پرچار جاری رکھا۔ اس طرح اس عہد میں سیکولرزم کے معنی ''مذہب سے لاتعلقی'' اور غیر جانب داری کے قرار پاتے ہیں، جیسا کہ آکسفورڈ انگریزی لغت نے اس معنی کو واضح کیا ہے:

> "To dissociate or separate from religious or spiritual concerns, to convert to material and temporal purposes; to tern (a person, his mind etc.) from a religious or spiritual state to worldliness."(18)

یہی معنی و مفہوم دوسری جنگ عظیم کے بعد تحریر ہونے والے دساتیر میں نظر آتا ہے۔ مگر اس معنی کی عمومیت اور اس کے پھیلاؤ میں ہولیوک سے زیادہ نٹشے کی نئی دنیا کی تعبیر کا اثر نظر آتا ہے۔

''سیکولرزم'' کے زیر بحث معنی و مفہوم کو پیش نظر رکھ کر اگر دوسری جنگ عظیم کے بعد بننے والے مختلف ممالک کے دساتیر کا جائزہ لیا جائے تو یہی مفہوم سامنے آتا ہے۔

دساتیرِ ممالک اور سیکولرزم:

اٹھارویں صدی عیسوی تک لفظ ''سیکولرزم'' موجودہ معنی کے ساتھ مستعمل نہیں تھا۔ اسی لیے ۱۷۷۶ء میں جب امریکہ کا آئین ضبطِ تحریر میں لایا گیا تو اس میں غیر مذہبی عنصر کو واضح کرنے کے لیے لفظ ''سیکولرزم'' نہیں تحریر کیا گیا، مگر بیسویں صدی عیسوی میں فرانس اور بھارت کا آئین مرتب ہوا تو لفظ ''سیکولرزم'' لکھا گیا۔ دنیا کے اکثر ممالک کے دساتیر بیسویں صدی عیسوی میں سرد جنگ (Cold War) کے دور میں مرتب ہوئے اس لیے اس میں ''سیکولرزم'' کے مذہب سے لاتعلقی کے معنی کو پیش نظر رکھا گیا:

> "To dissociate or separate from religious or spiritual concerns, to convert to material and temporal purposes; to tern (a person, his mind etc.) from a religious or spiritual state to worldliness."(19)

امریکہ کے آئین میں ۱۷۹۱ء میں مذہب، ابلاغ عامہ اور اظہار کی آزادی سے متعلقہ جو پہلی ترمیم عمل میں آئی اس میں اس طرح لکھا گیا کہ کانگرس مذہب کے کسی نظام کے بارے میں یا اس پر آزادانہ عمل کی ممانعت کرتے ہوئے، یا تقریر یا

پریس کی آزادی، یا عوام کے پرامن طور پر جمع ہونے، اور شکایتوں کی دادرسی کے لیے حکومت سے درخواست کرنے کے حق کو محدود کرنے کی غرض سے کوئی قانون وضع نہیں کرے گی:

"Congress shall make no law respecting an establishment of religion, or prohibiting the free exercise thereof; or abridging the freedom of speech, or of the press; or the right of the people peaceably to assemble, and to petition the Government for a redress of grievances."(20)

امریکہ کے آئین کے الفاظ (Congress shall make no law respecting an establishment of religion) سے واضح ہوتا ہے کہ لفظ ''سیکولرزم'' کے ''مذہب سے لاتعلقی'' کے معنی پائے جارہے ہیں، تو چوں کہ اس وقت ''سیکولرزم'' اصطلاح اپنے خاص معنی میں متداول نہیں ہوئی تھی اس لیے اس کو نہیں لیا گیا۔

فرانس کا آئین ۴، اکتوبر ۱۹۵۸ء میں پارلیمان سے منظور ہوا، جو پانچواں جمہوری (Fifth Republic) آئین کہلاتا ہے۔ اس آئین کی شق (Article) دو کے مطابق ملک فرانس کا آئین ایک ناقابل تقسیم، سیکولر، سوشل جمہوریہ ہوگا۔ آئین کے مطابق تمام شہری بلالحاظ مذہب وملت اور رنگ ونسل قانون کی نظر میں برابر ہیں۔ مذہبی آزادی کا احترام کیا جائے گا:

"France shall be an indivisible, secular, democratic and social Republic. It shall ensure the equality of all citizens before the law, without distinction of origin, race or religion."

اس میں لفظ ''سیکولر'' مذہب سے لاتعلقی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

بھارت کے آئین میں سیکولرزم کا تذکرہ کچھ یوں ہے:

"WE, THE PEOPLE OF INDIA, having solemnly resolved to constitute India into a [SOVEREIGN SOCIALIST SECULAR DEMOCRATIC REPUBLIC] and to secure to all its citizens:......."

مگر ۱۹۷۶ء میں بھارت کی وزیراعظم اندرا گاندھی کے عہد حکومت میں آئین میں بیالیسویں ترمیم کے ذریعے سیکولر اور سوشلسٹ کے الفاظ حذف کر دیے گئے۔ گویا اب بھارت سیکولر اور سوشلسٹ ملک نہیں رہا (۲۱)۔

بھارت کے آئین کی تمہید (Preamble) میں لفظ ''سیکولر'' مذہب سے لاتعلقی اور غیر جانب داری کے معنی میں تھا، جس کو آئین کی بیالیسویں ترمیم کے ذریعے ختم کر دیا گیا ہے۔

اس طرح دساتیر کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے ان دساتیر میں ''سیکولرزم'' کی اصطلاح میں بظاہر مذہب اور مذہبی سرگرمیوں سے ریاست کی لاتعلقی کا مفہوم پایا جاتا ہے مگر ان ممالک میں مقیم اقلیتوں کو اپنے عقائد ونظریات کے مطابق معاشی، عائلی قوانین اور عدالتی نظام وغیرہ بنانے کی اجازت نہیں دی جاتی، اس لحاظ سے اقلیتوں بالخصوص دین

© rasailojaraid.com

اسلام کی تعلیمات معطل ہوکر رہ جاتی ہیں، جب کہ نبی کریم ﷺ نے میثاق مدینہ کے تحت یہود و نصاریٰ کو اس کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔

مابعد سیکولرزم زوالِ روس کے بعد:

۱۹۸۹ء کے بعد عموماً جب دنیا دو قطبی (Bipolar) سے یک قطبی (Unipolar) ہوگئی۔ ۲۰۰۱ء کے بعد خصوصاً ''سیکولرزم'' کے تصور نے بھی نئی کروٹ لی۔ اس عہد میں سیکولرزم نے ہولیوک کے کے زمانہ کے معانی و مفہوم کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مذہب اور مذہبی فرد جو پہلے روحانیت کے فروغ اور باطنی اصلاح کے لیے کوشاں رہتا تھا، مذہب کو صرف اور صرف دنیوی اغراض و مقاصد کے لیے استعمال کرنا شروع کیا، اس کے لیے عالم گیر مذہب (Global Theology) اور آفاقی مذہب (Universal Religion) کا تصور دیا گیا جو دراصل مذہب اور مذہب سے وابستہ لوگوں کا دنیا کی طرف راغب و میلان پیدا کرنے کا نام ہے، جس کو عام معنی میں مذہب کی سیکولرائیزیشن کہا جا سکتا ہے۔ اس میں دیگر مفکرین کے علاوہ یوبن (Euben) کا اہم کردار ہے۔ یوبن نے کتاب ''دشمن آئینہ میں'' (Enemy in the Mirror) لکھ کر مذاہب عالم کی مخالفت کی بجائے مذہب کو مغربی تہذیب کا خدمت گار بنانے کی تجویز رکھی۔ اس سے قبل سیکولرزم کے معنی دین و دنیا کی دوئی و علیحدگی بن چکا تھا، دین کو انسان کی ذاتی زندگی تک محدود قرار دیا جا رہا تھا۔ سیکولرزم کے اس نئے تصور نے مذہب کو ذاتی زندگی سے نکال کر اجتماعی زندگی میں لانے کا لائحہ عمل تشکیل دیا۔ مگر یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ دین و مذہب کا اجتماعی زندگی میں اپنے منہاج (Paradigm) میں کام کرنا نہیں بلکہ مغربی منہاج میں اس کا خدمت گار بن کر سامنے آنا ہے، جیسا کہ دینی سیاسی جماعتوں کا ظہور و اقتدار، اسلامی بنکاری، اسلامی انشورنس، عیسائی بنکاری، یہودی بنکاری وغیرہ۔ اس طرح سیکولرزم کا یہ دعویٰ کہ مذہب ذاتی معاملہ ہے زیر بحث عہد میں بے معنی ہوکر رہ جاتا ہے۔ اب مذہب انفرادی زندگی تک تو محدود نہیں رہا بلکہ مذہبی اداروں کا اجتماعی سطح پر وجود سیکولرزم کا ایک نیا تصور دیتا ہے۔

اس دَور کے لیے دو اصطلاحات سامنے آتی ہیں، ایک مابعد سیکولر (Post-Secular) ہے جو معروف مابعد جدید جرمن فلسفی ہیبر ماس (Habermas) (پیدائش۔۱۹۲۹ء) نے متعارف کروائی۔ ہیبر ماس دہریہ اور ملحد (Atheist) فلسفی ہے دوسری اصطلاح سیکولر کاری کا خاتمہ (Desecularization) کی ہے جو معروف امریکی ماہر سماجیات پیٹر برگر (Peter Berger) (پیدائش۔۱۹۲۹ء) نے وضع کی ہے۔ اگرچہ دونوں اصطلاحات کے معنی و مفہوم کے اعتبار سے ایک ہی رجحان کی نشان دہی ہوتی ہے۔ پیٹر برگر کئی کتب کے مصنف ہیں، ۱۹۶۰ء کی دہائی میں سیکولرزم کی حمایت مین جو اپنی تحقیقی کاوشیں زیور طبع سے آراستہ کر چکے ہیں اس کتاب میں اپنے گزشتہ مقدمہ سے رجوع کر لیا ہے۔ ان دونوں مفکرین کا مقدمہ یہ ہے کہ کہ حقیقت اور صداقت کی مذہبی توجیہات آج اسی طرح زندہ ہیں جس طرح عہد روشن خیالی سے پہلے تھیں اور انہوں نے اپنی اہمیت ختم نہیں کی ہے۔ پیٹر برگر لکھتے ہیں کہ ''یہ مفروضہ کہ ہم ایک سیکولر دنیا میں رہتے ہیں غلط ہے'':

"The assumption that we live in a secularised world is false."(22)

جولیا کرسٹوا (Julia Kristeva) کا بھی یہی کہنا ہے کہ سیکولرزم تو نسیاً منسیا ہو چکا ہے۔(۲۳)

ہیبر ماس کا مؤقف یہ ہے مذہب بھی معنی، شناخت، استحکام اور حقیقت کا ایک منبع و مآخذ ہوسکتا ہے۔ یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ جدید مغربی فکر و فلسفہ میں مذہب کو حقیقت، معنی اور شناخت کے لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ ہیبر ماس کا کہنا ہے کہ آزاد ریاست کو مذہب میں حقیقت اور معنی کے پائے جانے کا احساس کرنا چاہیے اور مذہبی آوازوں کو سننا چاہیے۔ اگر آزاد ریاست ایسا کرنے میں ناکام ہوگئی تو خطرناک نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہیبر ماس کا کہنا ہے:

> "The expression "postsecular" does more than give public recognition to religious fellowships in view of the functional contribution they make to the reproduction of motivations and attitudes that are societally desirable. The public awareness of a postsecular society also reflects a normative insight that has consequences for the political dealings on unbelieving citizens with believing citizens. In the postsecular society, there is an increasing consensus that certain phases of the "modernization of the public consciousness" involve the assimilation and the reflexive transformation of both religious and secular mentalities. If both sides agree to understand the secularization of society as a complementary learning process, then they will also have cognitive reasons to take seriously each other's contributions to controversial subjects in the public debate."(24)

ہیبر ماس کے نقطہ نظر سے مختلف مغربی محققین نے تائید کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سیکولرزم کی ثقافت پر اجارہ داری (Monopoly of Culture) نہیں ہے بلکہ مذہب کا بھی یہ حق ہے۔(۲۵)

اس لحاظ سے مابعد سیکولرزم عہد میں مذہب کی اجتماعی حیثیت کے ساتھ ساتھ سا کو ایک اٹل حقیقت کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ مذہب کو معنی و حقیقت کا مآخذ مانا گیا ہے۔ مغرب کی فکری تاریخ میں یہ باتیں اہمیت کی حامل ہیں وگرنہ مذہب اور مذہبی لوگوں کو محض مچھر اور طفیلی وجود (Parasite) کے طور پر لیا جاتا تھا۔

مختصر یہ کہ سیکولر اور سیکولرزم کے معانی و مفاہیم بدلتے رہے ہیں۔ عہد ماقبل عیسوی دور میں سیکولر کا وہ معنی نہ تھا جو عیسائی دَور میں تھا، عیسائی عہد میں سیکولر کا وہ مفہوم نہ تھا جو عہد روشن خیالی میں متعارف ہوا۔ اسی طرح عصر حاضر میں لفظ ''سیکولرزم'' اپنے دامن میں ایک نیا پہلو لیے ہوئے ہے۔ لیکن ان سب معانی و مفاہیم کے باوجود ''سیکولرزم'' کسی فلسفہ کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ دراصل دہریت (Atheism) کو قبول کرنے کا نسبتاً ایک نرم (Soft) لفظ ہے، وگرنہ عہد روشن خیالی کے

© rasailojaraid.com

مغربی مفکرین نے تو دہریت کو فروغ دیا تھا، مگر معاشرہ میں عدم قبولیت کی وجہ سے متبادل لفظ ''سیکولرزم'' تلاش کیا گیا۔ مگر موجودہ دَور مابعد سیکولرزم کا ہے۔

''سیکولرزم'' کے مختلف تراجم:

اردو زبان میں سیکولر اور سیکولرزم کے کئی تراجم متعارف ہیں، بابائے اردو مولوی عبدالحق نے ''لادینیت'' ترجمہ کیا ہے۔ علامہ اقبال نے ''سیکولرزم'' کا یہ مفہوم بیان کیا ہے:

''رسم لادینی یعنی نظام امور سیاست میں دین سے بے تعلق ہو جانا۔''(۲۶)

علامہ اقبال کے خطبہ الہ آباد جو انہوں نے ۱۹۳۰ء میں دیا، اس میں لفظ ''سیکولر'' دین کی ضد یعنی ''لادینی سیاست'' کے معنی میں استعمال کیا۔ علامہ کا کہنا ہے کہ یورپ میں عیسائیت محض ایک رہبانی نظام تھا جو بتدریج ایک وسیع کلیسائی تنظیم کی صورت اختیار کر گیا۔ لوتھر کا احتجاج اس کلیسائی تنظیم کے خلاف تھا، وہ کسی لادینی نظام سیاست کے خلاف نہ تھا کیوں کہ کسی قسم کے نظام سیاست کا عیسائیت میں کوئی وجود نہ تھا۔ اس تنظیم کے خلاف لوتھر کی بغاوت ہر طرح سے حق بجانب تھی۔ اگر چہ میرے خیال میں خود لوتھر کو اس امر کا احساس نہ تھا کہ یورپ میں جو مخصوص حالات پیدا ہو گئے تھے، ان سے اس کی بغاوت کا نتیجہ بالآخر یہ ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عالم گیر اخلاقی نظام کی بجائے بے شمار قومی نظام پیدا ہو جائیں گے جن کا حلقہ محدود ہوگا:

> "In Europe Christianity was understood to be a purely monastic order which gradually developed into a vast church organisation. The protest of Luther was directed against this church organisation, not against any system of polity of a secular nature, for the obvious reason that there was no such polity associated with Christianity. And Luther was perfectly justified in rising in revolt against this organisation; though, I think, he did not realise that in the peculiar conditions which obtained in Europe, his revolt would eventually mean the complete displacement of [the] universal ethics of Jesus by the growth of a plurality of national and hence narrower systems of ethics."(27)

ڈاکٹر اختر بستوی لکھتے ہیں کہ 'سیکولر اور سیکولرزم کے لیے اردو میں مخصوص اصطلاحوں کے طور پر بالترتیب نامذہبی اور نامذہبیت کے الفاظ بھی وضع کیے گئے۔ حالانکہ معنی کے اعتبار سے لادینی، لامذہبی، بے دینی، یا غیر مذہبی کا جو مفہوم ہے وہی نامذہبی کا بھی ہے کیونکہ ''لا''، ''بے''، ''غیر'' اور ''نا''، سب کے سب نفی کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور ان میں معنوی طور پر کوئی فرق نہیں ہے، لیکن اردو میں جتنے الفاظ سیکولر اور سیکولرزم کے لیے رائج رہے ہیں ان سب کے مقابلے میں نامذہبی اور نا

© rasailojaraid.com

مذہبیت کے الفاظ بہتر ہیں کیونکہ ان کی حیثیت محض لفظوں کی نہیں بلکہ اصطلاحات کی ہے اور ان کو اسی لیے بنایا ہی گیا ہے کہ اصطلاحوں کی صورت میں ان کا استعمال کیا جائے۔ مولانا ابوالکلام آزاد جیسے لفظ شناس نے بھی ایک بار سیکولر کے ترجمہ کے لیے نامذہبی کو قابل ترجیح لفظ قرار دیا تھا، جس کا ذکر قاضی محمد عدیل عباسی نے اپنے ایک مضمون میں کیا ہے۔ قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> ''پہلی تجویز میں ایک لفظ سیکولر گورنمنٹ انگریزی میں تھا جس کا ترجمہ یا تو حافظ جی نے یا کسی اور نے لامذہبی حکومت اردو میں کیا تھا، مولانا نے گرج کر کہا لامذہبی نہیں نامذہبی۔''

ڈاکٹر اختر بستوی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''یہ لفظ بھی مولانا آزاد کی سند اور اپنی اصطلاحی حیثیت کے باوجود پوری طرح موزوں نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اس میں بھی مذہبی کے ساتھ ''نا'' کی موجودگی کی بنا پر اس کا احتمال ہے کہ ذہن میں مذہب کی نفی کا خیال کسی نہ کسی حد تک آجائے اور جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں مثبت سیکولرزم میں مذہب کی نفی نہیں ہوتی۔ اس لیے میرے خیال میں سیکولرزم کے لیے نامذہبیت کی اصطلاح کو کام میں لانے سے بھی اس کے مفہوم میں کچھ نہ کچھ الجھاؤ ضرور آتا ہے۔ اس لفظی قضیے کو مکمل طور پر ختم کرنے کا سب سے مناسب طریقہ یہ ہے کہ اُردو میں 'سیکولر' اور 'سیکولرزم' کے الفاظ جوں کے توں اپنا لیے جائیں اور ان کی جگہ پر اُردو کا کوئی لفظ استعمال کرنے کی بجائے تقریر و تحریر میں انگریزی کے یہی الفاظ بولے اور لکھے جائیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ اُردو والوں نے عملاً اس مسئلے کے اسی حل کو تسلیم کر لیا ہے اور گذشتہ چند برسوں سے تمام اردو اخباروں، رسالوں اور کتابوں میں سیکولر اور سیکولرزم کی اصطلاحیں، بغیر کسی ترجمے کے اپنی اصلی شکل میں استعمال ہو رہی ہیں۔ اُردو کے بعض ایسے مصنفین نے بھی بعد میں یہ روش اپنالی جو پہلے اپنی تحریروں میں سیکولر اور سیکولرزم کا مفہوم ادا کرنے کے لیے مختلف اردو الفاظ سے کام لیا کرتے تھے اس کا سب سے نمایاں ثبوت ڈاکٹر سید عابد حسین کی تصنیفات میں ملتا ہے (۲۸)۔''

یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ درج بالا بحث چوں کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد ہو رہی ہے اس لحاظ سے ''سیکولرزم'' کا اردو زبان میں ترجمہ کیا جائے یا نہ کیا جائے اس کے معنی بہرحال مذہب سے لاتعلقی ہی کے قرار پاتے ہیں۔

فرانسیسی زبان میں سیکولرزم کے لیے ''Laique'' لفظ مستعمل ہے جیسا کہ فرانسیسی زبان میں تحریر دستور کی عبارت سے واضح ہے۔

معروف مسلم محقق ڈاکٹر یوسف قرضاوی سیکولر اور سیکولرزم کا معنی و مفہوم واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''سیکولرزم'' کے لیے عربی زبان میں ''عَلمانیہ'' کا لفظ مستعمل ہے جو کہ انگریزی سیکولرزم (Secularism) فرانسیسی (Secularite) یا (Laique) کا ترجمہ ہے۔ مگر یہ ترجمہ غلط ہے اس لیے کہ لفظ علم یا اس کے مشتقات کا سیکولرزم سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ علم کا مترادف انگریزی اور فرانسیسی میں "Science" ہے، جو مسلک یا فکر سائنس کی جانب منسوب ہو اُسے

"Scientism" کہا جاتا ہے، اور علم کی جانب نسبت ہو تو انگریزی میں اسے Scientific اور فرانسیسی میں "Scientivique" کہا جاتا ہے۔ عربی زبان کے لحاظ سے علمانیہ میں الف نون کا اضافہ بھی قواعد کے خلاف ہے اور سماعی ہے مثلاً رَبّ کی جانب نسبت کر کے ربانی کہا گیا۔ بعد میں متاخرین کے یہاں روحانی، نفسانی اور نورانی کے الفاظ بھی مستعمل ہوئے اور اب دور جدید میں عقلانی، شخصانی اور علمانی کی مصطلحات وجود میں آ گئی ہیں۔ بہر حال سیکولرزم کا صحیح ترجمہ لادینی یا دنیاوی ہے۔ دنیاوی نہ صرف ان معنوں میں کہ یہ اخروی کے بالمقابل ہے بلکہ ان مخصوص معنوں میں کہ ایسا دنیاوی رویہ جس کا دین سے کوئی تعلق نہ ہو یا اگر کوئی تعلق ہو تو یہ تعلق تضاد کا تعلق ہو۔ عربی زبان میں سیکولرزم کا ترجمہ علمانیہ اس لیے کیا گیا ہے کہ ترجمہ کرنے والے دین اور علم کا وہی مفہوم سمجھتے ہیں جو اِن الفاظ کا مسیحی دنیا میں سمجھا جاتا ہے۔ مغرب میں دین اور علم دو متضاد الفاظ ہیں یعنی ان کے یہاں جو بات دینی یا مذہبی ہو وہ علمی نہیں ہو سکتی اور علمی بات دینی نہیں ہو سکتی۔ غرض ان کے یہاں علم اور عقل دین کے بالمقابل اور اس کی ضد ہیں اور اسی طرح علمانیہ اور عقلانیہ ایسے رویے ہیں جو دین کے برعکس ہیں(۲۹)۔

معروف فرانسیسی محقق محمد ارکون (م۔ ۲۰۱۰ء) کی فرانسیسی کتاب (Religion et Laicite une approche "laique" de Islam) کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا، جو سیکولرزم سے متعلق ہے تو اس کتاب کا عربی میں ''عَلْمَنَة والدِّين الاسلام المسيحية الغرب'' کے نام سے ترجمہ کیا، اس کتاب میں سیکولرزم کا ترجمہ ''عَلْمَنَة'' کیا گیا ہے(۳۰)۔

ڈاکٹر یوسف قرضاوی مختلف مغربی دائرہ ہائے معارف (Encyclopedias) اور لغات (Dictionaries) کے حوالے سے اپنی تحقیقات یوں پیش کرتے ہیں کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں سیکولرزم کا جو مفہوم بیان کیا گیا ہے وہ کچھ اس طرح ہے کہ 'سیکولرزم ایک ایسی اجتماعی تحریک کا نام ہے جس کا اصل ہدف لوگوں کی توجہ امور آخرت کے اہتمام سے ہٹا کر صرف دنیا کو ان کی توجہ کا مرکز بنانا تھا۔ کیونکہ قرون وسطیٰ میں لوگ دنیا سے کنارہ کشی کا شدید رجحان رکھتے تھے اور دنیا سے بے رغبت ہو کر خدا اور آخرت کی فکر میں منہمک رہتے تھے۔ اس رجحان کے بالمقابل انسانی جذبہ اور رجحان کے بروئے کار لانے کے لیے سیکولرزم وجود میں آیا اور دور نشاۃ ثانیہ میں لوگوں نے انسانی اور ثقافتی سرگرمیوں اور دنیا کے مرغوبات کے حصول میں زیادہ دلچسپی کا اظہار شروع کر دیا۔ سیکولرزم کی جانب یہ پیش قدمی تاریخ جدید کے تمام عرصے میں دین (مسیحیت) سے متضاد تحریک کی حیثیت میں آگے بڑھتی اور ارتقاء حاصل کرتی رہی۔ لوبسٹر کی ڈکشنری آف ماڈرن ورلڈ میں سیکولرزم کی تشریح اس طرح کی گئی ہے:

۱۔ ''دنیوی روح یا دنیوی رجحانات وغیرہ بالخصوص اصول وعمل کا ایسا نظام جس میں ایمان اور عبادت کی ہر صورت کو رد کر دیا گیا ہو۔''

۲۔ ''یہ عقیدہ کہ مذہب اور کلیسائی امور کا امور مملکت اور تربیت عامہ میں کوئی دخل نہیں ہے۔''

آکسفورڈ ڈکشنری میں سیکولرزم کے لفظ کی اس طرح توضیح کی گئی ہے:

۱۔ ''دنیوی یا مادی یعنی جو دینی یا روحانی نہ ہو جیسے لادینی تربیت، لادینی فن یا موسیقی، لادینی اقتدار و حکومت جو کلیسا کی حکومت کے متناقض ہے۔''

۲۔ ''یہ رائے کہ دین (مذہب) کو اخلاق و تربیت کی بنیاد نہیں ہونا چاہیے۔''

نیو تھرڈ ورلڈ ڈکشنری میں سیکولرزم کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ 'زندگی یا زندگی کے خاص معاملہ سے متعلق وہ رویہ جس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ دین یا دینی اعتبارات کا حکومت میں دخل نہیں ہونا چاہیے۔ یا دینی اعتبارات کو نظام حکومت سے قصداً دور رکھنا چاہیے۔ جس سے مراد مثلاً حکومت میں خالص لادینی سیاست ہے اور دراصل یہ اخلاق کا ایک اجتماعی نظام ہے جس کی اساس اس نقطہ نظر پر ہے کہ معاصر زندگی اور اجتماعی وحدت ایسے عمل اور ایسی اخلاقی اقدار پر قائم ہو جس میں دین کا کوئی دخل نہ ہو۔

ڈاکٹر قرضاوی مشہور مستشرق آربری کی کتاب ''مشرق وسطی میں مذہب'' کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''مادی علمیت، انسانیت، طبیعی مذہب اور وضعیت سب لادینیت کی صورتیں ہیں اور لادینیت یورپ اور امریکہ کا ایک نمایاں وصف ہے، اگرچہ یہ مظاہر مشرق اوسط میں بھی موجود ہیں لیکن انہیں کوئی فلسفیانہ رخ یا متعین ادبی رخ نہیں ملا۔ اس کا حقیقی نمونہ جمہوریہ ترکیہ میں مذہب و حکومت کی تفریق ہے (۳۱)۔''

ڈاکٹر قرضاوی ''سیکولرزم'' کے عرب دنیا میں معانی و مفاہیم کے اعتبار سے اپنے نقطہ نظر کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ 'علمانیت (لادینیت) کے لفظ کا استعمال عربی زبان میں نیا ہے۔ یہ ہمارے دور کی ایک جدید اصطلاح ہے۔ اس میں ''یا'' مشدد نسبت کے لیے ہے اور الف و نون زائد ہیں۔ بعض لوگ علم کی طرف نسبت کر کے اسے عین کے زیر کے ساتھ ''عِلمانیت'' بولتے ہیں اور یہی زیادہ مشہور ہے۔ جبکہ بعض لوگ ''عَلمانیت'' عین کے زبر کے ساتھ کہتے ہیں یعنی علم کی طرف نسبت کر کے جو کہ ''عالَم'' یعنی دنیا کے معنی میں ہے۔ مجمع اللغۃ العربیہ کی تیار کردہ المعجم الوسیط میں یہی تلفظ ہے۔ بہر حال علمانیت کے عین پر زیر ہو یا زبر یہ لفظ مغربی زبانوں سے ترجمہ کیا گیا ہے مگر یہ ترجمہ لادینیت ہونا چاہیے تھا کیونکہ مغربی زبانوں میں سیکولرزم کے معنی ہی ایسے امر کے ہیں جو دینی (مذہبی) نہ ہو، یعنی لادینی ہو۔ مگر عرب ممالک میں اس کا ترجمہ علمانی یا مدنی اس لیے کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کے مذہبی جذبات متاثر نہ ہوں۔ غرض جس طرح لفظ سیکولرزم غیر زبانوں کا لفظ ہے اسی طرح علمانیہ بھی، خواہ عین کے زبر سے ہو یا زیر سے، عربی زبان میں ایک دخیل لفظ ہے اور اس کے مفہوم و معنی ایسے امر کے ہیں جو دین کے بالمقابل ہو۔ اس اعتبار سے علمانی وہ ہوگا جو دینی نہ ہو اور اس کا مقابل دینی ہوگا۔ اور علمانیت (لادینیت) کا متفقہ مفہوم یہی ہوگا کہ حکومت اور سماجی زندگی کا مذہب سے لاتعلق ہونا اور مذہب کا تعلق محض فرد کے ضمیر سے ہونا اور اس کو ایسا

© rasailojaraid.com

مخصوص تعلق قرار دینا جوصرف خدا اور بندے کے درمیان ہو۔اور اگر انسان کبھی اس کا اظہار بھی کرے تو صرف عبادات ، نکاح اور موت وغیرہ جیسے مواقع کے لیے مخصوص مراسم کے ذریعہ کرے۔'(۳۲)

اسلام میں ''سیکولرزم'' کی حیثیت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ، وہ لکھتے ہیں کہ ''صاف ظاہر ہے کہ اس مفہوم ومعنی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ۔اسلام میں سرے سے انسانی زندگی کے معاملات کی یہ تقسیم ہی نہیں کہ زندگی کے یہ امور دینی ہیں اور یہ غیر دینی۔دین ودنیا کی تقسیم ہی غیر اسلامی،اور مسیحی مغرب سے درآمد شدہ ہے۔ اور جو ہمارے معاشرے میں بعض اداروں اور لوگوں کے بارے میں دینی اور غیر دینی کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں،اس تقسیم کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔تاریخ اسلام میں آخری دور تک یہ تقسیم وجود میں نہیں آئی تھی کہ تعلیم کے ایک حصہ کو دینی تعلیم کہا جائے اور اس کے دوسرے حصے کو غیر دینی یا غیر مذہبی تعلیم کہا جائے۔کچھ ایسے افراد ہوں جنہیں مذہبی لوگ یا رجال دین کہا جائے اور دوسرے لوگ رجال علم،اہل سیاست اور اہل دنیا کہلائیں اسلامی نظام حیات میں زندگی کے یہ دو حصے کبھی نہیں رہے اور دین ودنیا کی تفریق کبھی قائم نہیں ہوئی۔اسلام اس دین سے آشنا نہیں جو سیاست سے عاری ہو اور اس سیاست کو تسلیم نہیں کرتا جو دین سے خالی ہو۔اسلام میں انسانی زندگی کے تمام پہلو اس طرح باہم مربوط اور دوش بدوش رہے ہیں جس طرح جسم وجان کا رشتہ باہم مربوط ہے۔اسلام کی نظر میں نہ روح کوئی جدا اور علیحدہ شے ہے اور نہ جسم روح سے بے گانہ ہو کر کوئی حقیقت رکھتا ہے۔اس لیے اسلام کی نظر میں دین اور علم، دین اور دنیا، دین اور حکومت ہر رشتہ مربوط، غیر منفصل اور کبھی جدا نہ ہونے والا ہے(۳۳)۔''

ڈاکٹر یوسف قرضاوی کا نتیجہ بحث یہ ہے کہ'علمانیت (لادینیت) مغربی سوغات ہے، یہ ہماری زمین کی پیداوار نہیں۔ہمارے عقائد اور فکری مسلمات کے ساتھ اس کا نباہ نہیں ہوسکتا۔'(۳۴)

خلاصہ بحث یہ ہے کہ یہ بات اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ ہر مذہب یا فکر اپنا ذخیرہ الفاظ واصطلاحات رکھتی ہے،اور الفاظ کی نسبت اصطلاحات میں فکری وتہذیبی رنگ زیادہ پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ غیر اسلامی مذاہب وافکار کی اصطلاحات کو دین کے دائرے میں استعمال کرتے وقت احتیاط کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔کسی بھی اصطلاح کی تہذیبی وفکری پس منظر کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ تہذیب/مذہب زندہ ہو اور نہ صرف زندہ ہو بلکہ غالب تہذیب کے طور پر قائم ہو، دوسری صورت یہ ہے کہ وہ تہذیب یا مذہب اپنا دم خم کھو چکا ہو جیسے مذہب زرتشتیت وغیرہ، ایسے مذاہب کی اصطلاحات مثلاً نماز، روزہ وغیرہ کو دین اسلام میں صلوٰۃ اور صوم وغیرہ کے متبادل کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے کیوں کہ یہ اصطلاحات اپنا تہذیبی پس منظر کھو چکی ہیں ۔مگر اس کے برعکس زندہ اور غالب تہذیب کی اصطلاحات کا دین اسلام کے دائرہ میں استعمال دین کے اصولوں پر اثر انداز ہوسکتا ہے، جیسا کہ دین اسلام کے دائرے میں خلافت کی بجائے جمہوریت کی اصطلاح کا استعمال پورے دینی ڈھانچے کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہوگا، یہی وجہ ہے کہ زیر بحث اصطلاحات سیکولر اور سیکولرزم کا دین اسلام سے کوئی تعلق

نہیں ہے، البتہ اردو زبان میں ان کے ترجمہ کی بجائے ''سیکولر'' اور ''سیکولرزم'' کا جوں کا توں استعمال مناسب رہے گا جیسا کہ ڈاکٹر بستوی کی رائے ہے۔ کیوں کہ ان اصطلاحات کے اس طرح تورد کی وجہ سے اردو زبان میں ان کی اجنبیت قائم رہے گی اور اس کے اردو زبان میں ترجمہ کا قضیہ بھی حل ہو جائے گا۔

سیکولرزم کی حقیقت یہ ہے کہ جس طرح کسی مسلم ملک پر کوئی ہندو ملک قبضہ کر لے اور ہندو مت سے ماخوذ سیاسی اور معاشی تعلیمات کو آفاقی تعلیمات کے طور پر پیش کرنا شروع کر دے تو کیا اس ہندو تہذیب کے افکار و نظریات کو عالمی و آفاقی اقدار روایات کے طور پر قبول کر لیا جائے گا؟ اسی طرح عیسائی کے تہذیبی غلبہ کی وجہ سے عیسائیت کے سیاسی، معاشی اور تعلیمی رجحانات کو سیکولرزم کے نام پر قبول کیا جا سکتا ہے؟ جس کا جواب یقیناً ''نہیں'' میں دیا جائے گا۔ اسی طرح آج مغربی تہذیب دہریت والحاد کو سیکولرزم کے نام پر امت مسلمہ کے لیے قابل قبول بنانا چاہتی ہے۔

سیکولرزم کا ترجمہ غیر مذہبی کیا جائے یا دنیاوی، ہر دو صورتوں میں معاشرہ میں دین کی سیاسی، معاشی، تعلیمی اور اخلاقی تعلیمات معطل ہو کر رہ جائیں گی۔ کیوں کہ جب سیاسی، معاشی اور تعلیمی کے ساتھ ساتھ مسلمان اجتماعی زندگی میں اسوہ نبوی سے رہنمائی نہیں لے گا۔ جب کہ نبی کریم ﷺ نے زندگی کے تمام سیاسی، معاشی، معاشرتی کے ساتھ دیگر اجتماعی شعبوں میں حصہ لے کر ہمارے لیے نظیر قائم کر دی کہ دنیا کا کوئی بھی پہلو دین سے باہر نہیں ہے۔

دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ دین کے سوا کسی نہ کسی فکر ر نظام کو اپنا مشعل راہ بنایا جائے گا اور وہ یقیناً دین اسلام اور اسوہ نبوی کے سوا ہوگا۔ اس سے انسان کی شخصیت دوئی کا شکار ہو جائے گی کہ فکر اور عقیدہ کچھ رکھتا ہے مگر وہ اپنی عملی زندگی کسی اور نظریہ کے تحت گزار رہا ہے اس طرح اس کی زندگی تضادات کا شکار ہو کر رہ جائے گی۔ گویا اسلام جن بتوں کو توڑنے آیا تھا انہی بتوں کو انسان اپنے ذہنوں میں سجا لے کیوں کہ غیر اللہ کے نظام ر فکر کی تعظیم و تقدیس اور اس کی مرعوبیت ایک مسلمان کے لیے کسی بت پرستی سے کم نہیں ہے۔ جس طرح مغرب میں سیکولرزم کی وجہ سے عیسائیت کی تعلیمات معطل ہو کر رہ گئی ہیں اسی طرح اسلام کی صورت بھی مسخ ہو کر رہ جائے گی۔

سیکولرزم کا مثبت پہلو؟

ڈاکٹر اختر بستوی لکھتے ہیں کہ سیکولرزم مثبت پہلو بھی رکھتا ہے۔ سیکولرزم کے مثبت پہلو کو مولانا سعید اکبر آبادی ان الفاظ میں اجاگر کرتے ہیں کہ ''سیکولرزم کی تعریف یہ ہے کہ تمام مذاہب آزاد ہوں گے اور ریاست کے ہر شخص کو یکساں حقوق حاصل ہوں گے۔ ہندوستان کے موجودہ حالات کے اعتبار سے یہاں کے لیے سب سے زیادہ بہتر اور قابل عمل نظام صرف سیکولر نظام ہے۔ مزید یہ کہ اسلام اور سیکولر نظام میں کوئی تضاد نہیں ہے۔'' (۳۵)

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ سیکولرزم جس زبان کا لفظ ہے اس میں اس کے معنی و مفہوم کو دیکھا جاتا ہے، جیسا کہ انگریزی حوالہ جات کے لحاظ سے اس کو درج بالا بحث میں ثابت کیا جا چکا ہے۔ اس بات کا اعتراف ڈاکٹر اختر بستوی

صاحب کو بھی ہے کہ انگریزی زبان وادب میں ''سیکولرزم'' منفی یعنی مذہب مخالف معنی کا حامل لفظ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''سیکولر اور سیکولرزم کے معنی جو انگریزی لغات میں بیان کیے گئے ہیں ان کی مدد سے صرف یورپی سیکولرزم کے مفہوم کو سمجھا جا سکتا ہے اور ان کی روشنی میں صالح اور مثبت سیکولرزم کی وہ سمتیں اجاگر نہیں ہوتیں جو دنیا کے بعض دیگر علاقوں میں ابھری ہیں۔ خصوصاً ہندوستان میں آزادی کے بعد نافذ ہونے والے آئین کی بنا پر سیکولرزم کے جس تصور کو فروغ حاصل ہوا ہے اور جو مذہب کی نفی کی بجائے تمام مذاہب کا یکساں طور پر احترام کرنا سکھاتا ہے وہ انگریزی لغات میں بیان کردہ معانی سے میل نہیں کھاتا۔''(۳۶)

''سیکولرزم'' کے جو معنی ہمارے ہندوستانی مسلمان علماء اور مدبرین متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ ''سیکولرزم'' کا معنی و مفہوم تو نہیں ہو سکتا، البتہ اس کے لیے لفظ ''غیر جانب داریت'' یا غیر متعلقہ مناسب ہو سکتا ہے، جس کا انگریزی ترجمہ ''Neutrality'' یا ''impartiality'' کیا جا سکتا ہے۔

مولانا سعید اکبر آبادی کے مقابل معروف ہندوستانی مفکر اور علی گڑھ یونی ورسٹی کے سابق وائس چانسلر سید حامد علی (م۔۲۰۱۴ء) سیکولرزم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''سیکولر اسٹیٹ وہ ہے جہاں مذہب کو اجتماعی امور سے بے دخل کر کے پرائیویٹ معاملات تک محدود کر دیا گیا ہو اور اس مختصر سے میدان میں بھی عمل کی آزادی ان حدود کے اندر رہ کر ہو جو ریاست کے قانونی ڈھانچہ نے متعین کر دی ہوں۔ ریاست کے اس تصور سے اُس مذہب کی تو مصالحت ہو سکتی ہے جس کے بانی نے ابتداء ہی میں اعلان کر دیا تھا کہ 'جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو'۔ اور جیسا کہ ڈاکٹر لوتھر نے کہا 'سیکولرزم کی اولین بنیاد یہی ہے۔ مگر اسلام جیسا دین جو پوری زندگی کو، پرائیویٹ ہو یا پبلک، افراد سے متعلق ہو یا اجتماع اور ریاست سے، اللہ کی مرضی کے تابع کرنا چاہتا ہو، جس میں حقیقی قانون ساز صرف خدا ہے اور جس میں ریاست کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ خدا کے قانون کو نافذ کرنے والی ہے۔ ریاست کے اس تصور سے کس طرح مصالحت کر سکتا ہے، یہ دونوں تو ایک دوسرے کی ضد ہیں، جہاں اسلامی نظام غالب ہو گا وہاں سیکولرزم نہ ہو گا اور جہاں سیکولرزم ہو گا وہاں اجتماعی امور میں اسلام نہ ہو گا اور انفرادی زندگی کے محدود دائرے میں بھی اس کی حیثیت مغلوب و مقہور کی ہو گی۔''(۳۷)

سیکولرزم کی وضاحت کے بعد سید حامد علی ہندوستان میں سیکولرزم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''کہا جاتا ہے کہ اوپر سیکولرزم کی تشریح میں جو کچھ بھی کہا گیا ہے وہ مغربی سیکولرزم کی تشریح ہے۔ ہندوستان کا اپنا سیکولرزم کا تصور ہے جو مغربی سیکولرزم سے مختلف ہے اور اسے دین و مذہب کے خلاف سمجھنا صحیح نہیں ہے(۳۸)۔'' اس فکری مغالطہ کا ردّ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''یہ بات اس انداز میں کہی جاتی ہے گویا ہندوستانی سیکولرزم کوئی متفقہ تشریح ہے اور وہ جوہری اعتبار سے مغربی سیکولرزم سے مختلف ہے، حالاں کہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ ہندوستان میں سیکولرزم کی مختلف تشریحات ہیں، مثلاً ہندوستان کے متعدد سیاست داں سیکولرزم کی وہی تشریح کرتے ہیں جو اوپر کی گئی ہے، مسٹر ایم۔ آر۔ مسانی سیکولرزم کو الحاد کے ہم معنی قرار

دیتے ہیں اوران کا خیال ہے کہ صرف کمیونسٹ ممالک سیکولر ہو سکتے ہیں۔"(۳۹)

اس لحاظ سے مولانا سعید اکبرآبادی کے مقابل ہندوستانی مسلم مفکرین دوسری رائے رکھتے ہیں جو دلائل کے لحاظ سے زیادہ مضبوط ہے،اس طرح سیکولرزم کا دین بالخصوص دین اسلام کے اعتبار سے کوئی مثبت پہلو نہیں پایا جاتا ہے۔

سیکولرزم کے مترادفات:

تکثیریت (Pluralism) کا مفہوم یہ ہے کہ تمام مذاہب برحق ہیں اور کسی ایک نقطہ نظر کو حتمی اور حقیقت واحدہ قرار نہیں دیا سکتا کیوں کہ حق یا حقیقت ایک اضافی (Relative) چیز ہے۔ اس طرح تکثیری معاشرہ (Plural Society) میں انفرادی واجتماعی سطح پر حق وباطل کی بحث لایعنی قرار پاتی ہے۔

تکثیریت کی اصطلاح کے ساتھ ساتھ ایک اور لفظ ثقافتی تکثیریت (Multiculturalism) بھی مستعمل ہے۔
سیکولرزم کا مترادف مذہب مدنیت (Civil Religion) بھی رائج ہے، اس اصطلاح کو معروف امریکی ماہر سماجیات رابرٹ بیلہ (Robert Bellah) نے موجودہ سیاسی نظام کے پس منظر میں استعمال کیا، مگر اس اصطلاح کو پہلی مرتبہ معروف سیاسی مفکر روسو نے (Rousseau) متعارف کروایا تھا (۴۰)۔

سیکولرزم کی حدود ودائرہ کار:

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ سیکولرزم کا تعلق صرف سیاست وحکومت سے ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سیکولرزم زندگی کے کسی ایک پہلو کا نہیں بلکہ تمام پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہولیوک نے محض سیاست اور دین میں تفریق کے لیے سیکولرزم کو فروغ نہیں دیا بلکہ اس کا مقصد جیسا کہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے کہ دہریت کا پرچار تھا۔ اس طرح یہ پرچار زندگی کے کسی ایک پہلو کے متعلق نہیں تھا بلکہ سیاسی، معاشی، تعلیمی اور معاشرتی کے ساتھ ساتھ انفرادی پہلوؤں سے بھی متعلق تھا۔ اس دہریت کو نسبتاً نرم (Soft) صورت میں پیش کرنے اور دنیا کے دیگر مذاہب اور معاشروں کے واسطے قابل قبول بنانے کے لیے لفظ"سیکولرزم" لایا گیا ہے، جو بیسویں صدی عیسوی میں اپنے موجودہ معنی میں متداول ہوا ہے۔ یہ اسی طرح ہے کہ کسی مذہب کا کسی دوسرے مذہب کے سیاسی نظام سے متاثر ہو کر اپنے تہذیبی وثقافتی پس منظر میں اپنا لینا ہے یا یہودیوں کا تصور ہلاخہ (Hallakha) سے کوئی تہذیب متاثر ہوتی ہے تو اس کو کسی دوسرے لفظ کے ساتھ اپنا لیتی ہے۔ اس طرح کسی غیر مغربی تہذیب کے لیے لفظ "سیکولرزم" کا اپنانا اس کی اپنی شکست اور اپنے مذہب کے نامکمل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ چناں چہ جو دین مکمل ضابطہ حیات نہیں رکھتا اس کو حکمرانی کا حق بھی نہیں پہنچتا ہے۔

اس طرح اگر چہ ارتقائی وتاریخی لحاظ سے سیکولرزم کا ہر شعبہ زندگی سے تعلق نمایاں ہے، مگر آج سیکولرزم کی بحث کو "سیاست" تک محدود کر دیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

دین وسیاست میں دوئی کا مسئلہ

عصر حاضر میں مغربی تہذیب کے غلبہ کے بعد دین اور سیاست میں دوئی کا مسئلہ علمی دنیا میں اہمیت اختیار کر گیا ہے، حالاں کہ مسئلہ دین و سیاست میں دوئی کا نہیں بلکہ دین وسلطنت (Empire) اور دین و جدید قومی ریاست (Modern Nation State) کے باہمی تعلق کا ہے۔ دین اور سیاست میں تو کوئی دوئی کا تصور نہیں پایا جاتا، دونوں لازم وملزوم ہیں۔ حالاں کہ انبیاء کرام دعوت دین کے ساتھ ساتھ سیاست بھی کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل کے انبیاء کرام سیاست بھی کیا کرتے تھے، جب کوئی نبی کوفات پا جاتا تو ان کے بعد دوسرا آنے والا نبی ان کی جگہ لے لیتا، اور میرے کوئی نبی نہیں مگر خلفاء آئیں گے جو کثیر تعداد میں ہوں گے:

''كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء كلما هلك نبي خلفه نبي و أنه لا نبي بعدی وسيكون الخلفاء فيكثرون.'' (۴۱)

دراصل جدید ریاست اور قومیت (Nationalism) مارٹن لوتھر کی تحریک کا ردعمل ہے۔ جب مارٹن لوتھر نے کلیسا کی سیادت ختم کی تو یورپ کے لوگوں کو باہمی اتحاد کی بنیاد قومیت پرستی (Nationalism) میں نظر آئی، اور مذہب ثانوی حیثیت اختیار کر گیا۔ اس طرح سب سے پہلے ''ریاست'' کا نعرہ اہمیت اختیار کر گیا۔ علامہ اقبال اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی اس طرح فرماتے ہیں:

''مغرب کی لادینی لوتھر کی تحریک سے پیدا ہوئی۔ اس لیے کہ جب حصول اقتدار کے جذبے نے کلیسا کی سیادت ختم کر دی تو لازماً کسی ایسی اساس کی ضرورت پیش آئی جو قوموں کے نظامِ اجتماع کو درہم برہم نہ ہونے دے۔ یہی ضرورت تھی جس نے اہل یورپ کو وطن اور وطن سے نسل کی طرف مائل کیا۔ آگے چل کر یہی وطنیت دہریت کا سبب بنی۔'' (۴۲)

یہی بات علامہ محمد اقبال خطبہ الہ آباد میں کچھ اس طرح فرماتے ہیں:

''روسو اور لوتھر جیسے لوگوں کی روشن خیال تحریکوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ نوع انسانی کی اکائی اقوام میں تقسیم ہوگئی۔ اس نئے تصور کے لیے انہیں ایک زیادہ واضح اساس مثلاً تصور وطنیت کی ضرورت محسوس ہوئی جس کا اظہار مختلف نظام ہائے سیاست کی شکل میں ہوا۔ گویا وطن کو سیاسی اتحاد و اتفاق کی بنیاد مان لیا گیا۔'' (۴۳)

گویا کہ جدید ریاست کا وجود مذہب کی ضد پر قائم ہے۔ اس طرح آج کوئی بھی جدید ریاست وجود میں آتی ہے تو وہ اپنے مذہب کے مطابق نظام سیاست اختیار نہیں کر سکتی۔ یہ کتنی بدقسمتی کی بات ہے کہ آج آزاد ہونے کے باوجود مذاہب عالم اپنی الہامی تعلیمات کے مطابق نظام سیادت وسیاست نافذ نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جتنے بھی مذاہب آزاد ہیں وہ جدید ریاست کے دائرہ میں ہیں اور جدید ریاست میں رہ کر دوسرا تصور اختیار نہیں کیا جا سکتا۔

© rasaeljaraid.com

جدید قومی ریاست اور دین میں بحث یہ ہوتی ہے کہ ''ریاست'' اصل ہے اور دین ثانوی حیثیت کا حامل ہے، جب کہ قومی ریاست کے وجود سے قبل ''دین'' اصل ہوتا تھا۔ نبی کریم ﷺ جب مدینہ میں حکومت اسلامیہ کا قیام عمل میں لائے تو وہ دین کی بنیاد پر قائم کی اور ''ریاست'' کو نہیں بلکہ دین کو اصل اور بنیاد کا مقام حاصل تھا۔ اس لحاظ سے نبی کریم ﷺ کی قائم کردہ حکومت کو ریاست کے جدید (Modern Nation State) معنی نہیں پہنا سکتے۔

اسی طرح کا مسئلہ دین وسلطنت (Empire) کے باہمی تعلق میں ہے کیوں کہ کوئی سلطنت اپنے تقاضوں کے مطابق دین اور اس کی تعلیمات کا تعین کرتی ہے، جیسا کہ رومن سلطنت ایک ''ایمپائر'' تھی، ایمپائر کے تقاضوں کے مطابق عیسائیت کو ہم آہنگ بنایا گیا۔ عیسائیت اور اس کی تعلیمات کو قیصر روم نے اپنے تقاضوں کے مطابق متعین کیا۔ عقیدہ تثلیث کو رومن قیصر نے اپنا اختیار اور اپنی اتھارٹی استعمال کرتے ہوئے قائم کیا، جس پر ۳۲۵ء کی مجلس نیقیہ (Council of Nicaea) اور ۳۸۱ء کی مجلس (Council at Constantinople) گواہ ہیں، اس طرح عیسائیت کی تعلیمات میں بگاڑ آ گیا، وگرنہ عقیدہ کا تعین انسان نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

جب سلطنت (Empire) اور اس کے تقاضوں کے مطابق مذہب کو ہم آہنگ بنایا جاتا ہے تو مسائل جنم لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائیت اور قیصر روم کے مابین آغاز سے زوال تک باہمی کشمکش ہی رہی ہے، کیوں کہ ریاست وسلطنت میں کچھ تقاضے دین کے ہوتے ہیں تو کچھ تقاضے ریاست وسلطنت کے، مگر جب دین کے تقاضے ریاست کے تقاضوں سے ٹکراتے ہیں تو ترجیح دین کو نہیں بلکہ ریاست وسلطنت کے تقاضوں کو دی جاتی ہے۔ اس سلسلہ کی دوسری مثال فراعنہ مصر کی سلطنت یعنی ایمپائر کی دی جا سکتی ہے کہ جہاں بنی اسرائیل کے لیے اپنے دین کو قائم رکھنا مشکل ہو چکا تھا اور جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت مؤثر ثابت نہ ہو سکی، تیسری مثال ایران کے اثنا عشریہ شیعہ کی ہے کہ سلطنت ساسانی (Sassanid Empire) کے اثر کے تحت اسلام سے تعلق قائم کیے ہوئے ہیں، اس لحاظ سے اسلام کی تعبیر بھی ساسانی پس منظر میں کی گئی ہے۔

اس لحاظ سے دین اسلام نے کسی سلطنت (Empire) کے تحت فروغ نہیں پایا، بلکہ نبی کریم ﷺ نے خود حکومت اسلامیہ قائم کی، پھر ان کے بعد بھی زمام حکومت مسلمانوں کے پاس رہی، وہ عہد خلافت راشدہ کا سنہرا دور ہو یا بنو امیہ اور بنو عباس کا عہد، خلافت عثمانیہ کا دور ہو یا ہندوستان کا عہد، مسلمان کسی سلطنت کے تحت رہنے کی بجائے اپنی حکومت کے قیام کو ترجیح دیتے تھے۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اصل حیثیت ریاست کو نہیں بلکہ حکمران کو حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حکومت قائم کی، اور نبی کی ذات ہی اللہ تعالیٰ کی منشا سے بندوں کو آگاہ کرتی اور نافذ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نافذ کرنے کے لیے علاقہ کی حدود کا تعین کیا جاتا تھا۔ اس طرح جو حکمران ہوتا اسی کا مذہب نافذ ہوتا، اسی کا سکہ

© rasailojaraid.com

چلتا۔اب حکمران چھوٹا ہو گیا ہے اور جدید ریاست بڑی ہو گئی ہے، یا اب حکمران جدید ریاست کے تابع ہو کر رہ گیا ہے۔ پہلے ''عوام'' رعایا کہلاتی تھی، اب رعایا کی جگہ شہریت (Citizenship) آ گئی ہے۔ اب جدید قومی ریاست نے حکمران اور رعایا کی تمیز کو ختم کر دیا ہے۔ حقوق و فرائض کا تعین قرآن و سنت کی روشنی میں کیا جاتا تھا، جب کہ اب حقوق کا تعین جدید قومی ریاست کرتی ہے۔ ہولیوک نے ''سیکولرزم'' کو جب نئے معنی دیے تو اُس وقت افادیت پسندی (Utilitarianism) کے فلسفہ کا دَور دَورہ تھا، بینتھم (Jeremy Bentham) جان اسٹوارٹ مِل (John Stuart Mill) وہ فلاسفہ تھے جنہوں نے اس فلسفہ کو فروغ دیا، اس لحاظ سے سیکولرزم کے پس منظر میں بھی افادیت پسند رجحاں پایا جاتا ہے، یعنی وہی چیز درست ہے جو فائدہ مند ہو۔ رابرٹ وارتھ فرینک (Robert Worth Frank) لکھتے ہیں:

> "Secularism: Specifically a variety of utilitarian social ethic which seeks human improvement without reference to religion exclusively by means of human reason, sience and social organization."(44)

دین جب بھی سلطنت یعنی ایمپائر یا جدید قومی ریاست کے تحت ہوگا اپنی تعلیمات کو نافذ کرنا نہ صرف اس کے لیے مشکل ہوتا ہے بلکہ ان کو حقیقی صورت میں قائم رکھنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ دین جب بھی سلطنت یا جدید قومی ریاست کے تحت ہوگا اسی وقت دین و سیاست کی دوئی کی بحث جنم لے گی۔ کیوں کہ سلطنت (Empire) ہو یا جدید ریاست ہر ایک دین کو اپنے تقاضوں کے مطابق لینے کی کوشش کرے گی۔ اس لحاظ سے آج جدید قومی ریاست کے تحت ''سیکولرزم'' کے معنی و مفہوم نے جو نئی جہت اختیار کی ہے وہ یہی ہے کہ دین کو جدید قومی ریاست کے تقاضوں کے مطابق بنایا جائے۔ اس لحاظ سے بیسویں صدی عیسوی سے قبل پوری اسلامی تاریخ میں دین و سیاست کی دوئی کی بحث نے جنم ہی نہیں لیا، کیوں کہ اسلام کسی ایمپائر کے ماتحت نہیں رہا کہ اس میں بگاڑ آ جاتا، اسلام کا سیاسی نظام خود مختار حیثیت میں قائم و دائم رہا۔ مسلمان حکمرانوں کی خامیاں اسلامی تعلیمات پر اثر انداز نہیں ہو سکیں۔ دنیا کی تہذیبوں میں اسلامی تہذیب کا یہ امتیازی وصف رہا ہے کہ اس نے سلطنتوں یعنی ایمپائرز کے تحت رہنا گوارا نہیں کیا بلکہ وقت کی ایمپائرز خواہ وہ رومن ہو یا ساسانی، کا پہلے تخت و تاج کیا ہے پھر اسلامی تعلیمات کے مطابق امارت شرعیہ کا احیاء کیا ہے۔ اس لحاظ سے اسلام کی علمی تاریخ میں دین و سیاست کی دوئی کی بحث سرے سے ملتی ہی نہیں ہے۔ جب کہ اس کے مقابل عیسائیت میں یہ بحث ایک طویل عرصہ سے جاری ہے۔

اسلام کی تاریخ میں مسلمانوں کو پہلی مرتبہ بیسویں صدی عیسوی میں قومی ریاست کے تجربہ کا سامنا ہے جس سے وہ نبرد آزما ہیں۔ معاصر اسلامی مفکرین نے من حیث الطبقہ دین و سیاست کی دوئی کی بحث کو قبول نہیں کیا ہے۔ علامہ اقبال لکھتے ہیں کہ ''دراصل تُرک وطن پرستوں نے ریاست اور کلیسا کی تفریق کا اصول مغربی سیاست کی تاریخ سے اخذ کیا۔ مسیحیت کی ابتداء کسی وحدت سیاسی یا مدنی کے طور پر تو ہوئی نہیں تھی۔ وہ ایک نظام رہبانیت تھا جو ناپاک دنیا میں قائم کیا گیا اور جس کا اس

لیے امور مدنی میں کوئی دخل نہیں تھا۔ لہٰذا جہاں تک عملی زندگی کا تعلق ہے وہ ہر معاملے میں رومی حکومت کے زیرِ فرمان رہی۔ مگر پھر اسی صورت حال میں جب آگے چل کر اسے ریاست کا مذہب قرار دیا گیا تو ریاست اور کلیسا نے دو حریف قوتوں کی شکل اختیار کر لی اور ان کے حدود و فرائض کی تعیین و تحدید میں بحث و نزاع کا ایک غیر مختتم سلسلہ شروع ہو گیا۔ لیکن اسلام میں یہ صورت حال رونما ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لیے کہ اسلام کا ظہور بطور ایک اجتماع مدنی کے ہوا اور قرآن مجید کی بدولت اسے وہ صاف و سادہ قانونی اصول مل گئے، جن میں یہ زبردست امکانات، جیسا کہ تجربے نے آگے چل کر ثابت بھی کر دیا، موجود تھے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ترک وطن پرستوں کا نظریہ سیاست (دین و دنیا کی دوئی) بڑا غلط اور گمراہ کن ہے، کیوں کہ اس کی رو سے یہ ماننا لازم آتا ہے کہ اسلام کے اندر بھی کوئی ثنویت کام کر رہی ہے حالاں کہ اسلام میں اس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں۔'' (۴۵)

۱۹۳۰ء کے خطبہ الہ آباد میں علامہ محمد اقبال دین و دنیا کی دوئی کی مزید وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ ''یورپ میں عیسائیت محض ایک رہبانی نظام تھا جو بتدریج ایک وسیع کلیسائی تنظیم کی صورت اختیار کر گیا۔ لوتھر کا احتجاج اس کلیسائی تنظیم کے خلاف تھا، وہ کسی لادینی نظامِ سیاست کے خلاف نہ تھا، کیوں کہ کسی قسم کے نظام سیاست کا عیسائیت میں کوئی وجود نہ تھا۔ اس تنظیم کے خلاف لوتھر کی ہر طرح سے بغاوت ہر طرح سے حق بجانب تھی۔ اگرچہ میرے خیال میں خود لوتھر کو اس امر کا احساس نہ تھا کہ یورپ میں جو مخصوص حالات پیدا ہو گئے تھے، ان سے اس کی بغاوت کا نتیجہ بالآخر یہ ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عالم گیر اخلاقی نظام کی بجائے بے شمار قومی نظام پیدا ہو جائیں گے جن کا حلقہ محدود ہوگا۔ اسی لیے روسو اور لوتھر جیسے لوگوں کی روشن خیال تحریکوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ نوع انسان کی وحدت کو توڑ کر غیر مربوط اور منتشر کثرت میں تبدیل کر دیا جس سے انسانیت کی اکائی اقوام میں تقسیم ہو گئی۔ اس نئے تصور کے لیے انہیں سے ایک زیادہ واضح اساس مثلاً تصور وطنیت کی ضرورت محسوس ہوئی جس کا اظہار مختلف نظام ہائے سیاست کی شکل میں ہوا۔ گویا وطن کو سیاسی اتحاد و اتفاق کی بنیاد مان لیا گیا۔ اگر آپ کا مذہب کے بارے میں یہ خیال ہے کہ اس کا تعلق صرف آخرت سے ہے تو عیسائیت کا جو حشر ہوا ہے وہ بالکل قدرتی امر تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عالم گیر اخلاقی نظام کی جگہ سیاسیات اور اخلاقیات کے قومی نظاموں نے لے لی۔ اس سے یورپ اس نتیجے پر پہنچنے کے لیے مجبور ہوا کہ مذہب فرد کا ذاتی معاملہ ہے اور اس کا دنیاوی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلام انسان کی وحدت کو مادے اور روح کی متضاد دوئی میں تقسیم نہیں کرتا۔ اسلام میں خدا اور کائنات، روح اور مادہ، کلیسا اور ریاست ایک کل کے مختلف اجزاء میں۔ انسان کسی ناپاک دنیا کا باشندہ نہیں ہے جسے کسی ایسی دنیا کی خاطر ترک کرے جو کہیں اور واقع ہے۔ اسلام کے نزدیک مادہ روح کی وہ شکل ہے جو زمان و مکان میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔'' (۴۶)

اس کے بعد علامہ اقبال لکھتے ہیں کہ ''دراصل روحانی و دنیاوی زندگی میں امتیاز کرنے کا یہی غلط اصول ہے جس سے یورپ کا مذہبی اور سیاسی فکر زیادہ طور پر متاثر ہوا ہے اور اس کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ یورپ کی ریاستوں سے عیسائیت عملی طور پر

© rasailojaraid.com

بالکل بے دخل ہو چکی ہے۔اس سے مختلف بے ربط ریاستیں قائم ہو چکی ہیں جن میں انسانی جذبہ کی بجائے قومی اغراض کی بالا دستی ہے۔"(۴۷)

اس طرح دین وسیاست میں دوئی کی بحث کا اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیوں کہ مسلمان تاریخی طور پر اس تجربہ سے گزرے ہی نہیں لہٰذا اس کا اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کی فکری وعملی تاریخ میں سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔معاصر دنیا چوں کہ مغربی فکر وفلسفہ اور مغربی ادارتی صف بندی کے سانچہ پر ہے اس لحاظ سے غیر مغربی ممالک بالخصوص اسلامی دنیا انہی مسائل سے نبرد آزما ہے۔

اس لحاظ سے معاصر اسلامی دنیا میں دین وسیاست کی دوئی کی بحث نہیں بلکہ دین اور جدید ریاست کی بحث اہمیت رکھتی ہے اور جدید ریاست کی تشکیل اسلامی دنیا سے تعلق نہیں رکھتی۔اس طرح جدید قومی ریاست اور سیکولرزم دونوں لازم و ملزوم ٹھہر چکے ہیں۔اگر آج جدید قومی ریاست کا خاتمہ ہو جائے تو اسلامی دنیا میں دین وسیاست کی دوئی اور سیکولرزم کی بحث ہی دم توڑ جائے۔

جدید ریاست کا ارتقاء:

تحریک نشاۃ ثانیہ (Renaissance) اور تحریک اصلاح (Reformation) کے نتیجہ میں جدید قومی ریاست اپنی تشکیل کے بعد مغرب میں جن تاریخی مراحل سے گزری ہے، وہ اب تک تین ہیں:

الف۔ جو حکمران کا مذہب وہی عوام کا مذہب (The Cuius regio, eius religio Model)

۱۶۴۸ء عیسوی کے معاہدہ ویسٹ فیلیا (Westphalia) کے بعد پہلا ماڈل یورپ میں نافذ کیا، اس ماڈل کے تحت کوئی بھی ریاست دوسری ریاست میں دخل اندازی نہیں کر سکتی تھی۔

ب۔ تحفظِ اقلیت ماڈل (The Minority Protection Model)

بعد میں دوسرا ماڈل تحفظ حقوق اقلیت نافذ کیا گیا۔اس ماڈل میں دنیا کے مختلف ممالک میں رہائش پذیر اقلیتوں کے حقوق کی پاسداری کی بات کی جاتی ہے۔وہ اقلیتیں مذہب کی بنیاد پر ہوں یا رنگ ونسل کے اعتبار سے، ہر دو لحاظ سے ان کے حقوق کے تحفظ کی کوشش کی جاتی ہے۔

ج۔ حقوق انسانی ماڈل (Human Rights Model)

جدید قومی ریاست کا یہ ماڈل معاصر دنیا میں نافذ کیا جا رہا ہے۔اس ماڈل میں اقوام متحدہ کے پاس کردہ بنیادی انسانی حقوق (Universal Daclaration of Human Rights) کے پوری دنیا پر اطلاق کی کوشش کی جا رہی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ کسی ایک دین یا تہذیب کے تمام عناصر داخلی طور پر باہم مربوط ہوتے ہیں۔اس لحاظ سے اسلام داخلی طور پر کامل (Holism) اور جامع (Comprehension) ہے اس طرح وہ اپنے اصولوں میں کسی دوسری تہذیب کا محتاج

نہیں۔ ہمارے لیے نبی کریم ﷺ کی سیرت بہترین نمونہ ہے، کیوں کہ نبی کریمؐ کی وہ ذات اقدس ہے جس نے اپنی زندگی میں زندگی کے سیاسی، سماجی، معاشی اور تعلیمی غرض تمام شعبوں میں اسلام کا اطلاق کر کے دکھا دیا جو آج کے دور میں ہمارے لیے نظیر کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا مسلم ممالک کے لیے انسانی حقوق کا ماڈل مشعل راہ نہیں بلکہ اسوہ نبوی مشعل راہ ہے۔

دین وسیاست کے مختلف نمونے (Models):

تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو دنیا میں سیکولرزم کے مختلف نمونے رہے ہیں جو درج ذیل ہیں:

رومن ایمپائر کے قبولیتِ عیسائیت کے بعد قیصر روم اور عیسائی پوپ کے مابین اختیارات کی باہمی کشاکش رہنے لگی۔ چرچ وایمپائر کی باہمی کشمکش نے انسانی تاریخ پر خطرناک نتائج مرتب کیے اور اس سے دین و دنیا کی دوئی کی بحث نے جنم لیا جو مغرب کی سیاسی تاریخ اور دنیا کی موجودہ صورت حال میں اہمیت اختیار کر گئی ہے۔ ۱۰۵۴ء میں جب کلیسا مغربی لاطینی کیتھولک چرچ اور مشرقی آرتھوڈاکس چرچ میں تقسیم ہوا تو مشرقی چرچ بازنطینی شہنشاہ (Basileus) اور پھر بعد میں روس کے زار حکمرانوں (Czar) کے تحت چلا گیا۔ اس طرح بازنطینی اور پھر زارِ روس چرچ کے سربراہ بن گئے۔ مگر اس کے برعکس مغربی لاطینی چرچ اور قیصر روم کی اختیارات میں کشمکش جاری رہی، یہ ایک ایسی نہ ختم ہونے والی جنگ تھی جس میں سیاست اور کلیسا ایک دوسرے میں ضم نہ ہو سکے۔

مغربی کلیسا کے برعکس مشرقی آرتھوڈاکس چرچ مذہبی تعلیمات اور عبادت کے علاوہ بازنطینی قیصر کے تحت کام کرنے لگا۔ یہی صورت بعد میں زارِ روس کے ہاں بھی قائم رہی۔ زارِ روس ہی مشرقی چرچ کو حکومت کے ایک شعبہ کے طور پر چلاتے تھے۔ اس طرح مذہبی تعلیمات کے علاوہ مشرقی چرچ بطور ادارہ مکمل طور پر زارِ روس کے زیر نگرانی کام کرنے لگا۔

تحریک اصلاح (Reformation) کے نتیجہ میں مغربی لاطینی کیتھولک چرچ سے جو عیسائی فرقے جیسے پروٹسٹنٹ ازم، کلون ازم وغیرہ الگ ہوئے وہ مشرقی کلیساؤں کی طرح سرکاری ریاستی چرچ بن کر رہ گئے اور سیاسی دنیا دار حکمران ان کلیساؤں کے سربراہ یا بڑے بشپ (Summus episcopus) بن گئے۔ اس طرح چرچ کے معاملات دنیا دار سیاسی حکمران چلانے لگے۔ اس کے بعد چرچ کو چلانے کے یہی اختیارات منتخب جمہوری پارلیمان کو دے دیے گئے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان پروٹسٹنٹ کلیساؤں کی اندرونی خودمختاری محدود سے محدود تر کر دی گئی۔ حکمرانِ وقت کلیسا کی تنظیم سازی کرنے لگے، پارلیمان کے ذریعے کتب عبادت (Prayer Books) منظور کی جانے لگیں۔ اس طرح مغربی لاطینی کیتھولک چرچ کے باغی فرقوں کو جن کو مرتد قرار دیا جا چکا تھا یہ سیاسی حکمران سیکولر قانون کے ذریعے ان کے عقیدہ و ایمان کو سندِ جواز فراہم کرنے لگے۔ اس قسم کی مثالوں کے لیے برطانیہ اور اسکنڈی نیوین ممالک (Scandinavian

Countries) میں رائج دین وسیاست کے زیر بحث تعلق کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

چرچ وریاست کے تعلق کا اہم نمونہ (Model) امریکہ ہے۔ ۱۷۹۱ء میں امریکہ کی سیاسی تاریخ کی پہلی ترمیم جو دستور میں کی گئی اس میں چرچ اور ریاست کے نئے تعلق کی بنیاد رکھی گئی، جس میں اس بات کا عہد کیا گیا کہ امریکی کانگریس کوئی ایسا قانون وضع نہیں کرے گی جس کے ذریعے کسی مذہب کی حمایت اور تقرریا اس پر کوئی قدغن لگائی جا سکے۔ اس طرح دستور کے مطابق امریکہ مذہبی لحاظ سے ایک ایسی غیر جانب دار ریاست ہے جو مذہب مخالف (Anti-Religion) نہیں۔ (۴۸)

اسلام: دین وسیاست کی یکجائی

دین وسیاست میں علیحدگی وتعلق سے متعلق درج بالا نمونوں (Models) کے مقابل اسلام بھی دین وسیاست کی یکجائی کا نمونہ پیش کرتا ہے جس میں دین وسیاست کو باہم یکجا کیا گیا ہے بلکہ اقلیتیں بھی امن وعافیت کے تحت رہتی رہی ہیں۔ اس نمونہ کی نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی تعریف کرتے ہیں۔ عہد روشن خیالی کا معروف سیاسی مفکر روسو (Rousseau) اپنی کتاب میں نبی کریم ﷺ کے طرز حکمرانی کو ایک کامل نظیر کے طور پر پیش کرتا ہے کہ یہ ایک ایسا نمونہ ہے جس میں دین وسیاست کی یکجائی نظر آتی ہے وہ لکھتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دین وسیاست کے لحاظ سے اپنے نظام سیاسی کو کامل طور پر متحد ومحکم بنایا تھا اور ان کے خلفاء کے ماتحت ان کا مقرر کیا ہوا طریقہ حکومت قائم رہا، حکومت واحد وغیر منقسم رہی اور اس لحاظ سے بہت اچھی۔ روسو کا کہنا ہے:

> "The sacred cult has always remained or again become independent of the Sovereign, and there has been no necessary link between it and the body of the State. Mahomet held very sane views, and linked his political system well together; and, as long as the form of his government continued under the caliphs who succeeded him, that government was indeed one, and so far good." (49)

اس لحاظ سے روشن خیالی کے فلاسفہ جب عیسائیت کو رد کر چکے جس کا اظہار خود روسو نے بھی اسی کتاب میں کیا ہے مگر اس کے باوجود نبی کریم ﷺ اور ان کے طرزِ سیاست وحکومت کو قابل قدر نگاہوں سے دیکھا گیا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ کا تشکیل دیا ہوا دین وسیاست کی باہمی یکجائی کا نمونہ (Model) دنیا کے لیے لائق تقلید ہو سکتا ہے۔ لہٰذا

آج دین وسیاست کی یکجائی کا مسلمانوں کے پاس کسی سیکولر نمونہ کی بجائے نبی کریم ﷺ کا قائم کردہ نمونہ موجود ہے جس کی غیر مسلم بھی تعریف کرتے ہیں، آج اس نمونہ کو کیوں زیر بحث نہیں لایا جاتا؟

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے اپنی عہد حکومت میں غیر مسلم اقوام یہود و نصاریٰ کو بھی پوری مذہبی آزادی دی اور ان کو اپنی ہی مذہبی کتب اور نظام عدالت کے مطابق فیصلے کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ نبی کریم ﷺ نے ان غیر مسلموں پر اسلام کی حدود و تعزیرات کا اطلاق کبھی نہیں کیا تھا۔ جب کہ اس کے مقابل آج مسلم اور غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیتوں کو اس بات پر مجبور کیا جاتا ہے کہ مغرب کے بنائے ہوئے قوانین اور ان کے ڈھانچہ کے مطابق دیوانی وفوج داری مقدمات چلائے جائیں، جس طرح مسلم ممالک کو موت کی سزا ختم کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، حالاں کہ منشائے الٰہی کے بغیر موت کی سزا کو ختم نہیں کی جاسکتی۔ جس جرم کی سزا اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دی ہے اس کے آگے سرتونگوں کیا جاسکتا ہے مگر ختم نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا آج مغرب آزادی کی تو بات کر رہا ہے مگر مغرب کی نسبت اسلام نے اپنے زیر نگیں غیر مسلم اقوام کو حقیقی آزادی سے روشناس کروایا تھا، عہد اسلامی میں اور خود اسلامی تعلیمات کے مطابق کسی غیر مسلم رعایا پر اسلامی احکامات کو جبراً نافذ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ مگر آج مسلمانوں کو غیر مسلم قوانین کی اطاعت پر مجبور کیا جاتا ہے۔ یورپ و امریکہ اور دیگر غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کو اپنے عائلی و شرعی مسائل کے حل کے لیے نظامِ قضاۃ قائم کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی ہے، مگر عہد اسلامی میں تمام غیر مسلم ممالک کو یہ اجازت حاصل تھی۔

یہی وجہ ہے کوئی بھی سیکولرزم کا حامی کسی طور پر نبی کریم ﷺ کی قائم کردہ ریاست مدینہ کا مخالف نہیں ہوسکتا، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کی اسلامی ریاست میں دین و دنیا/دین وسیاست کو انتہائی خوبصورتی سے اکٹھا کیا کہ کوئی بھی سیاسی مفکر اس کی تعریف کیے بغیر نہیں رہتا، جیسا کہ روسو کی بات اوپر گزر چکی، اسی طرح سیکولرزم کے حامی اور پاکستان کے نامور محقق ڈاکٹر سید حسین جعفری لکھتے ہیں:

> ''مجھے یہ کہنے میں کوئی عذر نہیں ہے کہ مدینے کی پہلی اسلامی ریاست اپنے مزاج اور ماہیت میں کثیر المذاہب، کثیر الاعداد، روادار (Liberal)، غیر جانب دار، سیکولر اور جمہوری تھی۔ اور میں یہ کہنے میں بھی کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ دنیا کی پہلی صحیح معنوں میں غیر جانب دار (سیکولر) لبرل اور جمہوری ریاست صرف مدینے کی تھی اور درحقیقت وہ اسلامی پلولرازم، سیکولرازم اور لبرل ازم انسانی تاریخ کو پھر نصیب نہیں ہوسکا۔'' (۵۰)

اگر نبی کریم ﷺ کی قائم کردہ ریاست مدینہ کو سیکولر ریاست قرار دے دیا جائے تو ایسا سیکولرزم امت مسلمہ کے

لیے دل و جان سے قبول ہوسکتا ہے۔ مگر سیکولرزم کی اصطلاح کو دین اسلام کے دائرہ میں استعمال کرنا کسی زندہ مذہب کے شایان شان قرار نہیں پاتا۔ اس کو تاریخ کی اصطلاح میں پروجیشن بیک (Projection Back) کہا جاتا ہے کہ کسی نئے نظریہ کو پیش نظر رکھ کر تاریخ پر اس کا اطلاق کرنا جیسے اشتراکیت کے نقطہ نظر سے اسلام کی تاریخ کو دیکھا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ دوسری خطرناک بات جو سامنے آتی ہے وہ یہ کہ مدینہ کی مملکت اسلامیہ کو سیکولر اور لبرل کہنے سے مغرب کی موجودہ قومی ریاستوں کو تو عین اسلام اور نبوی ریاست کا عکس قرار دیا جا سکتا ہے۔ چناں چہ اس طرح اسلام اور غیر اسلام میں تو یقیناً کوئی فرق قائم نہیں رہے گا۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن (م۔۱۹۸۸ء) سیکولرزم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ سیکولرزم تمام اخلاقی قدروں کا تقدس اور آفاقیت ختم کر دیتا ہے اور یہ ایسا فینامنیا (Phenomenon) ہے جس کے اثرات ابھی حال میں مغربی معاشروں میں سب سے زیادہ ملموس طور پر اپنے آپ کو محسوس کرانے لگے ہیں، سیکولرزم دراصل ملحدانہ ہے:

> "Secularism destroys the sanctity and universality (transcendent) of all moral values___a phenomenon whose effects have just begun to make themselves felt, most palpably in western societies. Secularism is necessarily atheistic."(51)

مملکت اسلامیہ میں غیر مسلموں کے حقوق:

نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں حکومت کے قیام کے وقت جو معاہدہ کیا تاریخ میں میثاق مدینہ سے معروف ہے، اس میں عیسائیت، یہودیت اور اسلام کی شناخت کو ختم نہیں کیا گیا نہ ہی ان کے سیاسی، معاشی، تعلیمی، اخلاقی و تمدنی نظاموں پر قدغن لگائی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ تینوں فریقوں کے ریاست مدینہ میں اتحاد کو ''امت'' کے لفظ سے موسوم کیا گیا کہ اس ریاست مدینہ میں تینوں مذاہب کے لوگوں کا باہمی تعلق ایک امت کا ہوگا۔ نبی کریم ﷺ نے یہود و نصاریٰ کے قوانین اور اجتماعی و انفرادی معاملات میں دخل نہیں دیا۔ دیوانی و فوجداری قضیے ہوں یا عائلی و معاشی مقدمات یہود و نصاریٰ اور مسلمان اپنے اپنے مذہبی قوانین کے تحت فیصلے کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ان پر اسلامی قوانین کا نفاذ نہیں کیا، جس طرح آج مغربی تہذیب اپنا روشن خیالی کا فلسفہ مسلم اور دیگر ممالک پر کر رہی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مدینہ کے مذاہب یہودیت و نصرانیت کو اپنی فکر و عقیدہ کے مطابق زندگی گزارنے کا معاہدہ کیا تھا، یقیناً حقیقی آزادی یہی ہے۔ ولیم وائٹ لکھتے ہیں کہ عہد نبوی کا معاشرہ ظالمانہ نہیں بلکہ تکثیری تھا، نبی کریم ﷺ نے کبھی بھی اسلام کو مدینہ کے غیر مسلموں پر جبراً نافذ نہیں کیا تھا بلکہ

© rasailojaraid.com

ان کوان کے عقیدہ وفکر کے مطابق رہنے کی آزادی تھی:

"The society was pluralistic and was not repressive. The Prophet never imposed Islam upon the people of Madina, which meant that they could still practice without disrupting their religions and customs, aspects of life that were important to them." (51A)

اس کے مقابل یورپ وامریکہ میں مسلم اقلیت کو دیوانی وعائلی مقدمات کے لیے عدالتی نظام نہیں بنانے دیا جاتا۔ اس لحاظ سے یورپ وامریکہ وغیرہ کے مسلمان غیر مسلم قوانین ماننے پر مجبور ہیں جو یقیناً کسی جبر سے کم نہیں۔ اس طرح اپنے عقیدہ وفکر کے مطابق زندگی گزارنے کا بنیادی حق چھین لیا جاتا ہے۔ اس طرح پوری دنیا کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جارہا ہے۔

جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں بجائے یہ کہ وہ سیکولرزم کی حمایت کریں ان کو چاہیے کہ عوامی قانون (Public Law) اور نجی قانون (Private Law) کے نفاذ کی بات کی جائے، تاکہ ہر مذہب کے متبعین کو اپنی مذہبی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنا آسان ہو سکے۔ مسلمان اقلیتوں کو دیوانی وفوجداری کے ساتھ ساتھ عائلی قوانین کے لیے اپنا عدالتی نظام قائم کرنے کے لیے کوشاں ہونا چاہیے جیسا کہ اسلامی عہد میں غیر مسلم اپنے اپنے مذہب کے مطابق عدالتی نظام قائم کرتے تھے اور زندگی گزارتے تھے۔

مگر آج بدقسمتی سے جدید قومی ریاست کا بنیادی انسانی حقوق ماڈل (Human Rights Model) کا مسلم ودیگر ممالک پر اطلاق کیا جارہا ہے، اب جدید قومی ریاستیں متعلقہ قومی ریاست کی عوام کو اپنے مذہب کے قوانین کے مطابق زندگی گزارنے کی اجازت قطعاً نہیں دے سکتیں، بلکہ ریاستیں اقوام متحدہ کے بنیادی انسانی حقوق کے مطابق کام کرتی ہیں اور ان ریاستوں کا کام ان کو نافذ کرنا ہوتا ہے۔ یہ ریاستیں اس کا انکار نہیں کر سکتیں، مثلاً موت کی سزا کے خاتمہ کے لیے آج قومی ریاستوں کو مجبور کیا جارہا ہے۔ بنیادی انسانی حقوق ماڈل کے تحت کسی بھی جرم میں موت کی سزا کا خاتمہ کیا کسی بھی مذہب بالخصوص اسلام کی تعلیمات اور اس کے مجتہدین کے اجتہاد کے ذریعے نہیں ہونا چاہیے؟ اس طرح مذاہبِ عالم کے دیوانی، فوجداری اور عائلی قوانین بنیادی انسانی حقوق کے تحت چلے گئے ہیں۔

اسلامی عہد میں غیر مسلم اقلیتیں امن وسکون سے رہتی رہی ہیں جس پر تاریخ شاہد ہے جبکہ عیسائیت اور ہندومت کے ہاں غیر ہندو اور غیر عیسائی آبادی کا تصور نہیں ملتا۔ عیسائیت نے اپنے ہاں غیر عیسائی مذہب کو رہنے نہیں دیا، اندلس پر جب عیسائیوں کا قبضہ ہوا تو بجائے یہ کہ عیسائی فاتحین مسلمانوں اور یہودی آبادی کو اپنے ہاں حقوق دیتے، اس کی بجائے ان کو قتل کر دیا، یا دربدر کر دیا۔ اس کے برعکس مسلمانوں نے جہاں بھی قبضہ کیا مقامی غیر مسلم آبادی کو ختم نہیں کیا اور نہ ہی دربدر

کیا۔غیر مسلم کا احترام اوران کو عقیدہ وفکر کی آزادی دینا اسلامی تعلیمات کا حصہ ہے جس سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا۔

پاکستان: ایک جدید قومی سیاست:

آج معاصر مسلم پاکستانی زعماء کی طرف سے جو کہا جا رہا ہے کہ جدید قومی ریاست کا کوئی مذہب نہیں ہو سکتا (۵۲)، اسی طرح یہ کہنا کہ جدید قومی ریاست نے کلمہ پڑھ لیا ہے، غلط فہمی پر مبنی مؤقف ہیں۔ان آراء کو مغرب کی فکری تاریخ اور روشن خیالی کے فلسفہ کے نہ جاننے کا نتیجہ تو قرار دیا جا سکتا ہے مگر ریاست کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کا کوئی مذہب نہیں ہوتا یا ریاست نے کلمہ پڑھ لیا ہے مناسب نہیں، کیوں کہ جدید قومی ریاست کی بنیاد ہی مذہب کی ضد پر رکھی گئی ہے، تو جس کی بنیاد ہی مذہب کی ضد پر ہو، اُس میں مذہبی اقدار و روایات، مذہب کی سیاسی ومعاشی تعلیمات، سماجی و اخلاقی ہدایات کی ضد پر دہریت والحاد پر مبنی نظام زندگی نافذ کیا جاتا ہے۔اس سلسلہ میں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ پاکستان کے ۱۹۷۳ء کے دستور میں ۲۱ ستمبر ۱۹۷۴ء کو دوسری آئینی ترمیم کے ذریعے قادیانیوں کو جو غیر مسلم قرار دیا گیا اس میں بھی تبدیلی کی کوشش کی جاری ہے کیوں کہ پہلے جدید قومی ریاست کا ''تحفظ حقوق اقلیت نمونہ'' (Minority Protection Model) رائج تھا مگر اب انسانی حقوق ماڈل (Human Rights Model) نافذ کیا جا رہا ہے۔مگر اس کے خلاف بھی پاکستانی مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہیے تاکہ اس دوسری ترمیم کو ختم نہ کیا جا سکے۔

اگر چہ پاکستان بھی جدید قومی ریاست کے اصول پر معرض وجود میں آیا ہے اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ مغربی افکار ونظریات، مغربی نظام سیاست ومعیشت کو من وعن بغیر کسی مزاحمت کے قبول کر لیا جائے۔جدید قومی ریاست میں اسلامی شعائر ونظام کو زندہ رکھنا اور اس کے نفاذ کی کوشش ہی تو دراصل آج کا جہاد ہے، جس میں مسلمانوں کو بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے اور اسلامی اقدار وروایات کی بحالی اور ان کو قائم رکھنے کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔کسی بھی مسلمان کے لیے معیار زندگی اسوۂ نبوی ہونا چاہیے لہٰذا نبی کریم ﷺ کی قائم کردہ مملکت ہی آج کے مسلمان کا ہدف ومقصد ہونا چاہیے۔

خلاصہ بحث:

خلاصہ بحث یہ ہے کہ تاریخی لحاظ سے دیکھا جائے تو سیکولر اور سیکولرزم کا معنی ومفہوم اور اس کا مصداق بدلتا رہا ہے، برطانوی مفکر ہولیوک سے قبل یہ لفظ ''سیکولر'' بطور صفت استعمال ہوتا تھا، ''سیکولرزم'' ایک اصطلاح کے طور پر بعد میں متعارف ہوا۔مگر ''سیکولرزم'' کسی فکر یا فلسفہ کا نام نہیں بلکہ دہریت والحاد کی معاشرہ میں قبولیت کے لیے یہ اصطلاح وضع کی گئی۔جس طرح ہندو یا عیسائی فکر وعقیدہ کو دنیا پر اپنے سیاسی غلبہ کے بعد عیسائی یا ہندو تعلیمات کی قبولیت کے لیے دنیا کو ''وحدت ادیان'' کی اصطلاح سے روشناس کرا دیا جائے۔اسوہ نبوی کی روشنی میں سیکولرزم کو دیکھا جائے تو حقیقت یہ ہے اس

© rasailojaraid.com

کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں، کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے اجتماعی زندگی کے سیاسی و معاشی، سماجی و تعلیمی، انفرادی و اجتماعی غرض ہر پہلو پر دین کا اطلاق کیا۔ لہٰذا ''سیکولرزم'' کا تصور اپنے تمام معانی و مفاہیم کے ساتھ تعلیمات نبوی سے متصادم ٹھہرتا ہے۔

اسی طرح مابعد سیکولرزم دَور میں صورت حال بدل چکی ہے مگر دینِ اسلام کے لحاظ سے یہ صورت بھی سم قاتل کا درجہ رکھتی ہے، کیوں کہ دین اسلام کو محض دنیوی لحاظ سے دیکھنا خود خطرناک بات ٹھہرتی ہے، جس سے دین کا روحانی پہلو نظرانداز ہو کر رہ جائے گا۔ حالاں کہ دین کا روحانی پہلو مقصودی ہے جب کہ دنیوی پہلو مقصودی پہلو ہی کی طرف ایک ذریعہ ہے، لہٰذا ذریعہ ہی کو مقصود ٹھہرالینا عقل مندی نہیں ہے۔

عیسائیت نے رومن سلطنت (Roman Empire) کو فتح نہیں کیا بلکہ ماتحت (Subordinate) کے درجہ پر رہ کر تعلقات قائم کیے جو عیسائیت کی تاریخی غلطی تھی، اس کے مقابل اسلام نے قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں (Empires) سے تعاون کی صورت کو اختیار نہیں کیا بلکہ جزیہ یا جہاد کا راستہ اختیار کیا جس سے اسلام اور اس کی تعلیمات پر ان سلطنتوں کے اثرات مرتب نہیں ہو سکے۔ لہٰذا مسلمانوں نے جہاں بھی اپنی حکومت قائم کی اپنے اصولوں پر قائم کی، کسی سلطنت (Empire) سے دریوزہ گری کا طریقہ اختیار نہیں کیا۔ اس طرح مسلمانوں کو تاریخ میں پہلی مرتبہ جدید قومی ریاست (Modern Nation-State) کے تجربے کا سامنا ہے جو مذہبی ریاست کی ضد پر استوار ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ کی قائم کردہ مدینہ کی مملکت کو معیار قرار دیتے ہوئے اپنی جدوجہد جاری رکھنی چاہیے۔

© rasailojaraid.com

حواشی وحوالہ جات

1. Rupke, Jorg, "Saeculum". In Hubert Cancik, Helmuth Schneider, Christine F. Salazar, David E. Orton (eds.). Brill's New Pauly: Encyclopaedia of the ancient world. Leiden: Brill, 2002.
2. The Oxford English Dictionary, Prepared by J. A . Simpson and E. S. C. Weiner, 2nd edition, Clarendon Press, Oxford, 1989, vol. XIV, p. 848.

۳۔ ایضا ۴۔ ایضا ۵۔ ایضا
۶۔ ایضا ۷۔ ایضا

8. Asad, Allama, Islam at the Cross Roads, Maryam Jameela,
9. The Oxford English Dictionary, vol. XIV, p. 847.
10. Royle, Edward, Victorian Infidels, Manchester University Press, Manchester, 1974, p. 3.
11. The Oxford English Dictionary, vol. XIV,p. 848.
12. Encyclopaedia of Religion and Ethics, Editor: James Hastings, T & T Clark, Edinburgh, 1908, vol. 10, p. 348.
13. The Oxford English Dictionary, vol. XIV, p. 848.

۱۴۔ ایضا ۱۵۔ ایضا ۱۶۔ ایضا

17. Turner, Bryan S., Religion and Modern Society, Cambridge University Press, Cambridge, 2011, p. 129.
18. Toynbee, Arnold, The Present-day Experiment in Western Civilization, Oxford University Press, London, 1962, p. 24.
19. The Oxford English Dictionary, vol. XIV, p. 850. 20. Ibide
21. Amendment 1 - Freedom of Religion, Press, Expression. Ratified 12/15/1791.
22. (Forty-second Amendment) Act, 1976, s. 2, for “SOVEREIGN DEMOCRATIC REPUBLIC” (w.e.f. 3-1-1977).

البتہ بھارت کے آئین کے آرٹیکل نمبر پچیس میں ''مذہب کی آزادی کا حق'' کے تحت کہا گیا ہے کہ ایسی معاشی، مالیاتی، سیاسی یا کوئی دوسری سیکولر سرگرمی جو مذہبی عمل سے وابستہ ہوسکتی ہے، کی جاسکتی ہے:

"Right to Freedom of Religion 25. (1) Subject to public order, morality and health and to the other provisions of this Part, all persons are equally entitled to freedom of conscience and the right freely to profess, practise and propagate religion. (2) Nothing in this article shall affect the operation of any existing law or prevent the State from making any law-(a) regulating or restricting any economic, financial, political or other secular activity which may be associated

© rasailojaraid.com

with religious practice;....."

23. Peter L. Berger, (ed.), The Desecularization of the World, Resurgent Religion and World Politics (Grand Rapids: William B. Eerdmans, 1999).
24. Julia Kristeva, "Thinking in Drak Times," Profession 2006 (New York: The Modern Language Association of America, 2006): 13.
25. Habermas, Jurgen, Pre-political Foundations of the Democratic Constitutional State?," Habermas and Ratzinger, The Dialectics of Secularization: On Reason and Faith, Ignatius Press, San Francisco, 2006, p. 46-47. Jurgen Habermas and Ratzinger, The Dialectics of Secularization, On Reason and Religio,trans. Brian McNeil, C.RV. (San Francisco: Ignatius Press, 2006).
26. Pablo Jiménez, Pre-political Foundations of the Democratic Constitutional State – Europe and the Habermas-Ratzinger Debate, in Philosophy and Public Issues, Vol. 3, No. 2 (2013): 201-240, Luiss University Press, Italy.

۲۷۔ اقبال، علامہ محمد، پس چہ باید کرد اے اقوام شرق، اسد پبلی کیشنز، لاہور، (س۔ن)، ص۸۳۹۔

۲۸۔ اقبال، علامہ محمد، خطبہ الہ آباد، مرتب و مترجم: ڈاکٹر ندیم شفیق ملک، اقبال اکیڈمی، لاہور، طبع اول، ۲۰۱۳ء ص۱۸۰۔

۲۹۔ بستوی، ڈاکٹر اختر، سیکولرزم اور اردو شاعری، اُتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۹۶ء، ص۲۷تا۲۹۔

۳۰۔ قرضاوی، یوسف، اسلام اور سیکولرزم، مترجم: ساجد الرحمٰن صدیقی، عالمی ادارہ فکر اسلامی، اسلام آباد، طبع اول، ۱۹۹۷ء، ص۴۹تا۵۳۔

۳۱۔ ارکون، محمد، عَلْمَنَة و الدِّین الاسلام المسیحیة الغرب، دارالساقی، بیروت، طبع سوم، ۱۹۹۶ء۔

۳۲۔ قرضاوی، یوسف، اسلام اور سیکولرزم، مترجم: ساجد الرحمٰن صدیقی، عالمی ادارہ فکر اسلامی، اسلام آباد، طبع اول، ۱۹۹۷ء، ص۴۹تا۵۳۔

۳۳۔ ایضا ۳۴۔ ایضا ۳۵۔ ایضا

۳۶۔ ماہ نامہ برہان دہلی، جون، جولائی، اگست ۱۹۶۲ء ص۳۳۔

۳۷۔ بستوی، ڈاکٹر اختر، سیکولرزم اور اردو شاعری، اُتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۹۶ء، ص۲۵۔

۳۸۔ حامد علی، سید، مقدمہ کتاب ''سیکولر جمہوریت اور اسلام''، مصنف: انعام اللہ خان، ادارہ شہادت حق، دہلی، ۱۹۷۰ء، ص۱۰۔۱۱۔

۳۹۔ ایضاً۔ ۴۰۔ ایضاً۔

41. Rousseau, Jean-Jacques, On the Social Contract, Translated by G. D. H. Cole, Dover New York, 2003, p. 91.

۴۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، جامع صحیح، کتاب الانبیاء، باب: ماذکر عن بنی اسرائیل، قاہرہ، ۱۳۸۶ھ۔

۴۳۔ نذیر نیازی، سید، اقبال کے حضور، اقبال اکیڈمی، لاہور، پاکستان، ۱۹۸۱ء، ص۱۶۷۔

۴۴۔ اقبال، علامہ محمد، علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد ۱۹۳۰ء، مترجم: ڈاکٹر ندیم شفیق ملک، اقبال اکیڈمی، لاہور، طبع اول، ۲۰۱۳ء، ص۹۶۔

© rasailojaraid.com

45. Ferm, Vergilius, (Editor), Encyclopedia of Religion, Littlefield, New Jersey, 1959, p. 700.

۴۶۔ اقبال، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، مترجم: سید نذیر نیازی، بزم اقبال لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۲۲۹۔۳۳۰۔

۴۷۔ اقبال، علامہ محمد، علامہ اقبال کا خطبۂ الہ آباد ۱۹۳۰ء، مترجم: ڈاکٹر ندیم شفیق ملک، اقبال اکیڈمی، لاہور، طبع اول، ۲۰۱۳ء، ص ۹۴ تا ۹۷۔

۴۸۔ اقبال، علامہ محمد، علامہ اقبال کا خطبۂ الہ آباد ۱۹۳۰ء، مترجم: ڈاکٹر ندیم شفیق ملک، ص ۹۸۔

49. Minnirath, Roland, "The Right to Autonomy in Religious Affairs," in Facilitating fredom of religion or belief: a deskbook, editors: Tore Lindholm and W. Cole Durham, Martinus Nijhoff Publishers, Netherlands, 2004, pp. 295-6.

50. Rousseau, Jean-Jacques, On the Social Contract, p. 91.

۵۱۔ حسین جعفری، ڈاکٹر سید، عصر حاضر میں فکر اسلامی کی تشکیل جدید کا مسئلہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، (س۔ن)، ص ۳۲۔ حسین جعفری، ڈاکٹر سید، ''عصر حاضر میں فکر اسلامی کی تشکیل جدید کا مسئلہ''، مشمولہ مجلّہ المعارف لاہور، جنوری۔ جون ۲۰۰۷ء، ناشر: ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص ۳۸۔

52. Fazlur, Rahman, Dr., Islam and Modernity, Chicago and London: University of Chicago Press, 1982, p 15. مزید دیکھیے: فضل الرحمٰن، ڈاکٹر، اسلام اور جدیدیت، مترجم: محمد کاظم، مشعل لاہور، ۱۹۹۸، ص ۳۹

53 White, Sean William, "Madina Charter of the Prophet Muhammad and Pluralism", in Muhammad in History, Thought, and Culture, An Encyclopedia of the Prophet of God, edited by Coeli Fitzpatrick and Adam Hani Waker, ABC-CLIO, England, 2014, p. 456.

۵۴۔ غامدی، جاوید احمد، ''ریاست وحکومت''، جنگ لاہور روزنامہ، ۲۱ فروری ۲۰۱۵ء، ص ۱۱۔

© rasaljarald.com